ماہنامہ

تجلّی

دیوبند

62
nP.

ایڈیٹر ۔ عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ تجلّی دیوبند

شمارہ ۹

جلد ۱۵

ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت سات روپے

فی پرچہ ۶۲ پیسے

غیر ممالک سے سالانہ قیمت ۱۸ شلنگ بشکل پوسٹل آرڈر

پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھیے بالکل سادہ رکھیے

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر

آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ وی پی سات روپے باسٹھ نئے پیسے کا ہوگا۔ منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستانی حضرات:- ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیجکر رسید منی آرڈر اور اپنا نام اور مکمل پتہ ہمیں بھیجدیں رسالہ جاری ہو جائیگا

فہرست مضامین مطابق ماہ ستمبر ۱۹۶۳ء

آغاز سخن — عامر عثمانی — ۴

مراسلہ — محمد عبد العزیز — ۱۲

تجلّی کی ڈاک — عامر عثمانی — ۱۹

کیا ہم مسلمان ہیں؟ — شمس نوید عثمانی — ۲۷

اسلامی قومیت کے عوامل — مولانا امین احسن اصلاحی — ۳۵

مسجد سے میخانے تک — ملّا ابن العرب مکی — ۵۱

فنڈ کی زکوٰۃ کا مسئلہ — محمد حسین چشتی — ۶۰

کھرے کھوٹے — عامر عثمانی — ۶۳

توسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

دفتر تجلّی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

پاکستانی حضرات

نیچے لکھے ہوئے پتہ پر منی آرڈر بھیجکر وہ رسید ہمیں بھیجیں جو منی آرڈر کرتے وقت ڈاکخانہ سے ملتی ہے۔

مدیر

عامر عثمانی

فاضل دیوبند

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیوبند سے شائع کیا

مکتبہ عثمانیہ۔ مینا بازار نمبر ۲۲۸

پیر الٰہی بخش کالونی کراچی (پاکستان)

آغازِ سخن

یہ اداریہ کتابت کے مرحلے سے گزر چکا تھا اس وقت اطلاع آئی کہ مسلم پرسنل لا میں اصلاح کی تجویز حکومت نے منسوخ کر دی ہے۔ الحمد للہ۔ اداریہ چونکہ ایک اصولی گفتگو پر مشتمل ہے اس لئے رد نہیں کیا گیا۔ جزوی ترمیم کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ امید ہے توجہ سے پڑھا جائے گا۔

پرسنل لا کا آزمائشی مسئلہ

جون ۶۳ء کے تجلی میں مسلم پرسنل لا کے نئے پرابلم پر ہم اظہار خیال کر چکے ہیں۔ مسئلہ اگر خالی نظری اور منطقی ہوتا تو پھر سے اس موضوع کو تازہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے مسئلہ نہ صرف عملی ہے بلکہ اتنا اہم اور پہلودار ہے کہ ملک و ملت کا درد رکھنے والے کسی بھی ہوشمند کا اس کی طرف سے بے پروا ہو جانا خطرناک نتائج کا حامل ہوگا۔

خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں کے سوچنے سمجھنے والے حلقے فرداً فرداً بھی اور جماعتی پیمانے پر بھی اس مسئلہ پر خاص توجہ دے رہے ہیں۔ ملک بھر میں احتجاج کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ جوش اور عزم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ زندگی کی علامت ہے۔ ضروری ہے کہ ملت کے ایک فرد اور ملک کے ایک شہری کی حیثیت سے ہم اپنے اکابر ملت اور ارباب حل و عقد کے سامنے مسئلہ کے بعض ایسے گوشے بھی رکھیں جن پر زیادہ سنجیدگی سے سوچنے اور تبادلۂ خیال کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ہندوستان کی پوری ہی مسلم اقلیت کے لئے آزمائش کا ایک ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں کے تمام فرقوں اور جماعتوں کو محدود گروہی نقطۂ نظر اور ذاتی عصبیتوں سے بلند ہو کر فکر و تدبر کرنا چاہئے۔ کامل اتحاد و توافق کا ثبوت دینا چاہئے۔ ایک دوسرے کے مشوروں پر کان دھرنے چاہئیں اور اگر اقدام و عمل کے سلسلے میں زید کو بکر سے یا بکر کو عمر سے کوئی اختلاف ہو تو اس پر مناظرانہ ہما ہمی دکھلانے کے عوض خلوص و متانت کے ساتھ اختلاف کی گتھی سلجھانی چاہئے۔

یہ تمہید اس لئے اٹھائی گئی کہ راقم الحروف کو جمعیۃ العلمائے ہند کی مجلس عاملہ کے ایک خاص فیصلے کو سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی ہے جس کی تفصیل ۱۳؍اگست ۶۳ء کے روزنامہ الجمعیۃ میں شائع ہوئی ہے۔ عام حالات میں تو اس کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ جمعیۃ العلماء جیسی وقیع جماعت کے بلند مرتبہ ارباب بصیرت اپنی عاملہ کے اجلاس میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد اس پر ہم جیسے بے بضاعتوں کے اعتراض و احتجاج کو سننا تک گوارا کر لیں گے لیکن آج کے خاص حالات میں خودنگری اور استغنا کی یہ برف پگھلنی چاہئے۔ آج ہم آزمائش و ابتلا کے ایک ایسے دہانے پر کھڑے ہیں کہ باہمی افہام و تفہیم اور تبادلۂ خیال سے بے اعتنائی بہت بڑے خسران اور نامرادی کا تحفہ لا سکتی ہے۔ جو کچھ ہم کہنے والے ہیں اسے اعتراض کی بجائے افہام و تفہیم کی ایک مخلصانہ کوشش باور کیا گیا تو امید ہے کہ محترم ارباب جمعیت اس پر ٹھنڈے دل سے تدبر فرما سکیں گے۔

مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی تجویز پر اکابر جمعیت نے مزاحمت اور مقابلے کا عزم جن الفاظ میں برسر منبر ظاہر فرمایا ہے وہ یقیناً شایان شان ہیں۔ ان میں وہ شعلہ لپک رہا ہے جو انسانوں کو فرض کی خاطر قربانی دینے اور مر مٹنے پر

آمادہ کرتا ہے۔ مثلاً پٹنہ کے کنونشن میں جمعیت کے ورکنگ صدر مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب نے فرمایا۔

"دستور نے ہمیں جو آزادی دی ہے اگر ہم سے وہ چھیننے کی کوشش کی گئی تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔"

(الجمعیۃ ۲ ر اگست ۶۳ء)

یا مثلاً جمعیۃ کی مجلس عاملہ کے ۱۱ ر اگست والے اجلاس میں میرٹھ والے عام اجلاس کی تائید کرتے ہوئے اعلان کیا گیا

"جو قانون مسلمانوں کے لئے پرسنل لا کی حیثیت رکھتا ہے اس کا تحفظ حکومت کا اہم ترین فرض ہے۔ مسلمان قطعاً برداشت نہیں کر سکتے کہ اس میں حکومت کی جانب سے کوئی مداخلت کی جائے۔"

(الجمعیۃ ۱۳ ر اگست ۶۳ء)

یہ فقط دو نمونے ہیں۔ ہمارے رہنما قسم کے ارباب نے مختصر سی مدت میں اسی نوع کے دو ٹوک، واضح اور فیصلہ کن الفاظ کثرت سے کہے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوا کہ ہمارے بزرگوں کے لہو میں ابھی گرمی ہے۔ بہاؤ ہے۔ اُبلنے اور سنسنانے کی صلاحیت ہے وہ جذباتی اعتبار سے فقط ایک لاش نہیں رہ گئے ہیں لیکن یہ اس سے ظاہر نہیں ہوا کہ اس جذباتی ہما ہمی کے پیچھے کوئی گہرا شعور اور جہد و عمل کی کسی منظم، دانش و واضح تصور بھی موجود رہا ہو۔

اتفاق — جی ہاں محض اتفاق ہی کی بات ہے کہ فی الوقت حکومت نے اپنی تجویز کو معرض التوا میں ڈال دیا ہے اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی اقلیت خود ہی گذارش نہ کرے اس کے پرسنل میں ترمیم نہیں کیا جائیگی الحمد للہ۔ اس فیصلے نے فی الحال تو ہماری لاج رکھ ہی لی۔ اور جو بادل گرجے تھے وہ ہمارے زبانی دعووں کا عملی امتحان لئے بغیر ہی بن برسے گذر گئے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا آئندہ کے لئے بھی ہمیں اس سلسلے میں مطمئن ہو جانا چاہیے؟

ہمارا خیال ہے کہ اطمینان کا ہرگز موقع نہیں۔ مسلم پرسنل لا میں اصلاح و ترمیم کی تجویز آج تو ممکن ہے فقط اسی لئے معرض ظہور میں آئی ہو کہ پنڈت نہرو کی تصریح کے مطابق اس کی درخواست بعض مسلمانوں کی طرف سے کی گئی تھی لیکن یہ سمجھ لینا درست نہ ہوگا کہ خود حکومت کے ذہن میں اس کا کوئی رجحان اور قصد سرے سے موجود ہے ہی نہیں تقریباً آٹھ سال قبل ۱۹۵۵ء کی ایک ریڈیائی تقریر میں مرکزی وزیر قانون جناب مسٹر پاٹسکر نے کہا تھا۔

"ہم نے اپنے آئین کے نفاذ یعنی ۲۶ ر جنوری ۵۰ء کے بعد سوپیشل میرج ایکٹ، ہندو میرج ایکٹ پاس کئے ہیں۔ ہندو قانون وراثت کا مسودہ پارلیمنٹ میں زیر غور ہے' یہ سب ضابطہ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں محض جذباتی لوگ اقدامات کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ دریافت کرتے ہیں کہ ہم صرف ہندو قانون کو ہی ایک ضابطہ میں لانے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب صاف ہے کہ سارے سماج کو متحد اور منضبط بنانے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اس کے بڑے حصے کو ہی اکٹھا کرنا ہوگا۔ ہم اس وقت تک سارے بھارت کے لئے ایک واحد ضابطہ دیوانی بنانے کا خیال بھی نہیں کر سکتے جب تک ہم ملک کے ان لوگوں کے شخصی امور کو ایک ضابطہ میں نہیں لے آتے جنھیں ہندو کہا جاتا ہے اور جو ملک کی آبادی کا پچاسی فیصدی ہیں۔"

اور سن پچپن ہی میں انھی وزیر قانون نے ایک پریس کانفرنس میں بحیثیت وزیر قانون ارشاد فرمایا تھا۔

ہندو قوانین میں جو اصلاح کی جا رہی ہے وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پہنا دی جائے گی اگر ہم ایسا قانون بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو ہماری پچاسی فیصدی آبادی کے لئے ہو تو اس کا نفاذ باقی آبادی پر کرنا مشکل نہ ہوگا اس قانون سے پورے ملک میں یکسانیت پیدا ہوگی۔ ایک مرتبہ آبادی کی اکثریت اس قانون کی ضرورت کو تسلیم کرلے تو دوسرے لوگوں پر اس کا نفاذ مشکل نہ ہوگا۔ اس قانون میں کوئی بات مذہبی نہیں ہے بلکہ

یہ ایک سماجی قانون ہے۔ (ص ۲۵۵)

ان فرمودات میں کوئی ابہام نہیں۔ یہ قطعیت کے ساتھ بتاتے ہیں کہ اقلیتوں کے اپنے اپنے جداگانہ معاشرتی اور ذاتی قوانین کو ایک ہی سانچے میں ڈھالنے کا ارادہ حکومت کے دماغ میں ایک بنیاد اور تخم کی حیثیت سے بہرحال موجود ہے جسے روبہ کار لانے کے لئے وہ کسی بھی سازگار وقت و مساعد حالات میں عملی قدم اُٹھا سکتی ہے۔

اس صورت میں بے نتیجہ نہ ہوگا اگر ہم اس فیصلے کے بارے میں گفتگو کریں جو جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ کی طرف سے سامنے آیا ہے۔ گو کہ تجویز ملتوی ہو جانے کے بعد یہ گفتگو غیر ضروری ہی معلوم ہو گی۔ لیکن فی الاصل یہ غیر ضروری نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ اس کا تعلق اصول سے ہے اور اصولوں کی نظری حیثیت ہنگامی نہیں ہوتی کل اگر ایسا ہی کوئی بھونچال اُٹھے تو آج کی گفتگو کی روشنی میں ہمیں محکم و مستقیم اصولوں پر جمے رہنے کا ایک مفید سبق ہاتھ آئے گا۔

۱۱راگست کے اجلاس میں جمعیۃ کی عاملہ نے فیصلہ کیا ہے:۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا قانون ایک مکمل اور پائدار قانون ہے جس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے اسی بنا پر یہ اجلاس ان خبروں کو بھی قابلِ وثوق نہیں سمجھتا جو مسلم ممالک کے متعلق اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں کہ "سوشل ریفارمز" کے عنوان سے اسلامی قانون میں ترمیمات کی گئی ہیں۔ یہ اجلاس اس موقع پر ضروری سمجھتا ہے کہ ان خبروں کی تحقیق کی جائے اور اُن ممالک سے رابطہ قائم کر کے ان کے یہاں کی منظور کردہ اصلاحات معلوم کی جائیں اور ان پر غور کیا جائے۔"

اس کے بعد سات افاضل پر مشتمل ایک کمیٹی بنانے کا تذکرہ ہے جو ان ممالک سے مراسلت کر کے یہ معلومات فراہم کرے گی۔

ہمارے ناقص خیال میں یہ فیصلہ دو خامیوں سے داغدار ہے

خامی نمبر ۱

ایک یہ کہ اس میں تجاہل عارفانہ کی آڑ لی گئی ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ مصر یا پاکستان یا کسی بھی مسلمان مملکت میں بعض خلاف اسلام قوانین بننے کی اطلاع صرف غیر مسلم وقائع نگاروں اور اکّا دُکّا غیر ثقہ صحافیوں کی دی ہوئی ہوتی اور قابل وثوق ذرائع اس کی تصدیق نہ کر رہے ہوتے تب تو جمعیۃ کی مجلس عاملہ اس اطلاع کو ناقابلِ وثوق کہنے میں حق بجانب تھی، لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے۔ عربی، انگریزی اور اُردو اخبارات و رسائل کے چند سالہ فائل اُٹھا کر دیکھے جائیں تو بہت بڑی تعداد ایسے مقالوں، بیانوں، خبرناموں اور مراسلوں کی مل جائے گی جن سے قطعیت اور یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ بعض مسلمان مملکتوں میں کچھ نہ کچھ قوانین خلاف اسلام ضرور بنے ہیں اور مغرب زدہ حکمرانوں نے شرعی قوانین میں بعض ایسی ترمیمیں یقیناً کی ہیں جن کے باطل ہونے پر معروف و ثقہ علماء متفق ہیں۔ تو کیا کوئی بھی ہوشمند جمعیۃ العلماء کے پختہ کار ارباب حل وعقد کو اتنا بے خبر باور کر سکتا ہے کہ وہ اس تمام مواد سے آج تک بے بہرہ رہے ہوں؟

دور نہ جائیے۔ پاکستان کے جدید عائلی قوانین آپ کے سامنے ہیں۔ ان کو جس شدت، تواتر، قطعیت اور جبر کیساتھ علمائے پاکستان کا پورا طائفہ اسلام کے خلاف ایک شرمناک جسارت قرار دے رہا ہے اس کا فلک شگاف شور تو شاید قبروں کے مُردے بھی سُن رہے ہوں گے۔ بہت کہا جا سکتا ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض علمائے پاکستان کے نزدیک ان قوانین کا ہر ہر جز اور ہر ہر دفعہ خلاف اسلام نہیں ہے، بلکہ صرف بعض دفعات خلاف اسلام ہیں مگر اس کہنے سے اصولی صورت حال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اس سے یہ بہرحال ثابت ہے کہ پچاس نہ سہی بیس سہی ــــ بیس نہ سہی دو چار سہی، کچھ نہ کچھ قوانین پاکستان

میں ایسے ضرور نافذ ہوئے ہیں جن کے خلافِ اسلام اور یکسر باطل و فاسد ہونے پر پاکستان کے تمام علماء، ہر مکتبِ فکر کے ائمۂ مذہب اور تمام دینی فرقوں کے فضلاء قطعی طور پر متفق اٰلرا ہیں۔ جن ہندوستانی علماء نے ان عائلی قوانین کا مطالعہ فرمایا ہے وہ بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ سارے علماءِ پاکستان کا واویلا بے بنیاد ہے اور اس مجموعۂ قوانین میں کوئی بھی دفعہ اسلام کی بعض محکم اور اٹل قانونی دفعات کے خلاف نہیں ہے۔

پھر ایسی کچی بات تجاہلِ عارفانہ کے سوا کیا کہلائے گی جیسی جمعیۃ کی عاملہ سے منسوب ہوئی ہے۔ اس کا صریح مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ ہم دنیا کی کسی بھی مسلمان مملکت کے بارے میں یہ یقین کر لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ وہاں اسلام کے کسی بھی محکم قانون میں فاسد نوع کی ترمیم کی گئی ہو یا کوئی صریح خلافِ اسلام قانون نافذ کیا گیا ہو۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسئلہ تو تھا واقعات کا لیکن اس کے لئے دلیل لائی گئی منطق سے۔ پھر یہ دلیل بھی بجائے خود ایک چٹکلہ ہے دلیل نہیں۔ بے شک اسلام کا قانون ایک مکمل اور پائدار قانون ہے لیکن یہ بھی تو آپ سب کو اور پوری دنیا کے اربابِ بصیرت کو معلوم ہے کہ آج اکثر و بیشتر مسلم مملکتوں کی زمامِ اقتدار ایسے مسلمانوں کے قبضے میں ہے جنھوں نے مغربی تہذیب اور مادہ پرستانہ فلسفۂ زندگی کی ذہنی غلامی میں ایک نیا اسلام وضع کیا ہے ایسا اسلام جو خود آپ حضرات کے نزدیک بھی کفر و زندقہ اور الحاد و نفاق کے آستانے پر گھٹنے ٹیک چکا ہے۔ مصطفےٰ کمال والے ترکی سے آپ بے خبر نہیں ہو سکتے۔ جمال عبدالناصر کا مصر بھی آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پاکستان کے سابق و لاحق حکمرانوں سے بھی آپ واقف ہیں۔ پھر یہ کون مان لے گا کہ آپ جیسے ذی علم، وسیع المطالعہ اور دیدۂ بینا رکھنے والے پختہ کار حضرات اس بدیہی حقیقت سے بے خبر ہوں کہ حکمران طبقہ کی مغرب زدگی نے ان مملکتوں کو کہاں سے کہاں لے جا کر پھینکا ہے اور کس طرح اسلامی اقدار کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کافرانہ اقدار کو اسلام کا نام دے کر رواج دیا جا رہا ہے۔

ہماری طرح غالباً تمام ہی عقیدت مند آپ کی طرف اتنی شاندار بے خبری کی نسبت نہیں کر سکتے بلکہ یہی گمان کریں گے کہ آپ نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا گیا ہے۔ تجاہلِ عارفانہ کو نہ جانے آپ نے کس لئے مفید خیال کیا حالانکہ نفسیات کے اس مسئلہ سے مبتدی بھی واقف ہیں کہ تجاہلِ عارفانہ اپنے موقف کی کمزوری ہی کے اعتراف کا ایک روپ ہے۔ جان بوجھ کر کسی امرِ واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرنے والا در اصل واقعات کی شہادت کو اپنے خلاف پاتا ہے اسی لئے وہ سرے سے واقعات ہی کو تسلیم کرنے سے گریز کرتا ہے۔ حقائق سے آنکھیں چرانا ایک کمزوری ہے اور اسی کمزوری کا علمی نام تجاہلِ عارفانہ رکھ دیا گیا ہے۔

پاکستان کی مثال دے دینے کے بعد مصر کے تذکرے کی ضرورت نہیں۔ اکیلے پاکستان ہی میں اگر دو چار خلافِ اسلام قوانین کا نفاذ مسلمات میں سے ہے تو خود ہی ثابت ہو گیا کہ ادائے تجاہل سے تلخ حقائق کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی۔ تاہم ایک ذرا سی جھلک مصر کی بھی دیکھتے ہی چلئے:۔

مصر کی ایک فاضلہ مسز اصلاح اقبال۔ بی۔ ایس۔ سی (قاہرہ) کے ایک عربی مکتوب کا اُردو ترجمہ ابھی ۱۱ر اگست کے شہاب (لاہور) میں شائع ہوا ہے۔ موصوفہ پاکستان تشریف لائی تھیں اور وہاں نام نہاد عائلی قوانین کے قضیے میں علماء اور متجددین کی فکری آویزشوں کا مطالعہ فرمایا تھا۔ یہ شائع شدہ خط اسی مطالعہ کی بازگشت ہے۔ اس کے صرف تین پیرے ہم یہ دکھلانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ مصر میں متعدد خلافِ اسلام قوانین نہ صرف نافذ ہو چکے ہیں بلکہ انھیں نافذ ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہے کہ نتائج کی دنیا میں ان کی کونپلیں اور برگ و بار بھی خوب خوب ہویدا ہو چکے ہیں۔

مصری خاتون کے خط کا کچھ حصہ

"پھر ایک فاضل خاتون نے یہ بھی کہا ہے کہ یہی قوانین

مصر میں بھی رائج ہیں اور چونکہ مصری لوگ پاکستانیوں سے زیادہ عربی جانتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ آرڈی نینس اسلام سے نہیں ٹکراتا۔ میں اس محترمہ سے پوچھتی ہوں کہ کیا مصر کے رہنے والوں اور عربی زبان بولنے والوں کا نام اسلام ہے ؟ یا یہ عربی بولنے والے لوگ معبودِ ثانی ہیں جنھیں ان مصلحتوں کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھیں ؟

میں مصر کی رہنے والی ہوں اور اے فاضلہ! میں تجھے اور تیرے ہمنوا اصحاب کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ خود مصر جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ وہاں سماجی بنیادیں کس بری طرح سے منہدم ہو چکی ہیں۔ وہاں جاکر آپ براہِ راست مشاہدہ کریں کہ تعلقات کے استحکام، عورت کی عزت و تکریم اور عائلی تعلقات کے استحکام کے دعویٰ کے ساتھ یہ اسلام سے باغیوں کے بنائے ہوئے قوانین ہی ہیں جن سے معاشرے میں زبردست انتشار رونما ہوا ہے ہاں ہاں! ان قوانین نے عورت کے حقوق کی حفاظت کی ہے مگر اس طرح کہ نجیبہ کلیوں، عام محفلوں بلکہ چوراہوں پر اسے خدا کے باغیوں اور ہوس کے بندوں کے قدموں تلے روندا گیا ان قوانین اور ضوابط نے ایک ایسا معاشرہ تیار کیا ہے جس میں تقریباً اسّی فی صد (۸۰ فی) مردان امراضِ خبیثہ میں مبتلا ہیں جن کا علاج بس اللہ ہی کے پاس ہے۔

مصر میں مغرب کے ان اندھے پرستاروں نے عورت کو ان اصولوں اور قوانین کے ذریعے اللہ کے قوانین کا باغی تو بنالیا مگر سوال یہ ہے کہ خود عورت کا انجام کیا ہوا؟ مگر افسوس مصر میں ان نتائج کے کھل کر سامنے آجانے کے باوجود آج پاکستان میں بھی بجنسہٖ یہی قوانین ہیں جن کے نفاذ کا بعض لوگ چیخ چیخ کر مطالبہ کر رہے ہیں "

(اقتباس ختم ہوا)

یہ ہے مصر کی ایک جھلک۔ پھر بھی اگر کوئی سادہ لوحی اور تجاہلِ عارفانہ کی روش اختیار کرے تو اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ :-

مری خاک تک لحد میں نہ رہی امیر باقی
انھیں مرنے ہی کا اب تک نہیں اعتبار آتا

خامی نمبر ۲

یہ بات بڑی خوش آئند اور محمود ہے کہ جمعیۃ کی عاملہ نے جو کمیٹی بنائی ہے اس کے فرائض میں اپنے یہاں کی سماجی ضرورتوں کا جائزہ اور اس سلسلہ میں مناسب اقدام کے متعلق عاملہ کو مشورہ دینا بھی شامل ہے۔ یہ کام بہت پہلے کرنے کا تھا تاہم خدمت، اصلاح اور رفاہِ عام کی کوئی بھی اسکیم اگر خارجی محرکات ہی کے دباؤ سے روبہ عمل آجائے تو بجود بے حسی سے بہرحال بہتر ہے۔ ہم تہہ دل سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اسکی حیثیت وقتی اور اضافی نہ ہو بلکہ اسے ایک اہم ترین فریضہ مستقل کی حیثیت دیدی جائے۔

خیر مقدم کے باوجود خامی کی نشاندہی بھی ہم ضرور کریں گے۔ خامی یہ ہے کہ اس عمدہ اقدام کو ایک ایسی تمہید کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جس کے التزامی معنی یہ نکلتے ہیں کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کے پرسنل لا میں من مانی ترمیمیں کرنے کے لئے حکومت اور تجدد پسند حضرات کا یہ استدلال کسی نہ کسی درجے میں معقول اور لائقِ التفات ضرور ہے کہ جب دوسری مسلمان مملکتوں میں قانونی ترمیمات کی گئی ہیں تو اسی نوع کی ترمیمات ہم بھی اپنے ملک میں کر سکتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ کسی بھی مسلمان مملکت میں بعض خلافِ اسلام قوانین کا نفاذ و اجراء مسلّمہ حقیقت نہیں ہے اور ایسی خبروں کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ایک کمیٹی بٹھا دینا جمعیۃ کا ایک موزوں فیصلہ ہے لیکن جس نقطے اور سیاق میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کیا اس کے پیشِ نظر اس سے یہ مطلب نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ مذہبی مسائل کے باب میں کسی اور مسلم مملکت کے فعل و عمل کو جمعیۃ ایک ایسی نظیر کی حیثیت دینے پر راضی ہے جس کے مطابق ہم ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی مسائل میں ترمیم کرنا حکومت کے لئے جائز قرار پائے۔

زیادہ واضح الفاظ میں ہمارا مطلب یہ ہے کہ کسی اور

مسلمان مملکت میں کچھ بھی قوانین رائج ہوں ان کی مثال دیکر خود ہمارے مذہبی قوانین میں کسی کا مداخلت کرنا اصولاً غلط ہے ہمارے عقائد کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہیں مصر و حجاز یا شام و عراق کے مسلمانوں کا فعل و عمل نہیں۔ ہمارا دین اضافی نہیں ہے۔ ہم کسی ایسے عقیدے کے بارے میں جو ہمارے نزدیک قرآن و سنت سے محکم طور پر ثابت ہو یہ سننے تک کو تیار نہیں ہیں کہ کس مسلمان مملکت نے اس کے متعلق کیا رویہ اختیار کیا۔ مصر یا پاکستان وغیرہ اگر پورا کا پورا دستور خالصۃً ملحدانہ مدوّن فرمالیں تب بھی اس کا حوالہ دے کر ہم سے کسی ایک عقیدے کی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بنیادی بات جمعیۃ العلماء کے افاضل بھی خوب جانتے اور مانتے ہیں لیکن افسوس کہ جس محل اور سیاق میں انھوں نے تحقیقی کمیٹی بنائی ہے وہ اس موقف کو غبار آلود بناتا ہے اور اغیار کو یہ سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ پرسنل لا میں مداخلت کو تسلیم نہ کرنا دراصل اس لئے ہے کہ جمعیۃ العلماء کے نزدیک کسی بھی مسلمان مملکت میں اس طرح کی مداخلت مستند ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکی ورنہ معلوم ہو جاتی تو وہ بھی اس جیسی مداخلت اور ترمیم کو قبول کر لینے پر آمادہ ہو جاتی یہ نہایت فاسد، شر آمیز اور لغو ترین نقطۂ نظر ہے جس کی تردید جمعیۃ کی طرف سے کھل کر تاکید و تکرار کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

۱۴ راگست کے الجمعیۃ میں ایک شذرہ بھی اسی موضوع پر سپرد قلم کیا گیا ہے۔ الجمعیۃ کے شذرات ہم بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور مدیر الجمعیۃ جناب محمد عثمان فارقلیط کی بالغ نظری، اصابت رائے اور منفرد نوع کی انشاء اور اسلوب کے تہِ دل سے مداح ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ شذرہ انھوں نے رواروی میں لکھ دیا ہے۔ ان کے حسنِ نیت اور خیالات کی پاکیزگی میں ہمیں ادنیٰ سا شک نہیں لیکن ان کے اس پُر وثوق دعوے کو ہم فقط خوش فہمی ہی سمجھتے ہیں کہ حکومت مصر نے مسلم پرسنل لاء میں کوئی مداخلت نہیں کی بلکہ اس کا معاملہ علماء کے سپرد کر دیا اور پھر ان علماء نے شریعت کی روشنی میں جو سفارشات کیں انھیں ہی منظور کر لیا گیا۔

واقعے کی یہ تصویر اس سطحی حد تک تو ضرور درست ہو سکتی ہے جس حد تک تھیٹر اور سنیما کی تصاویر ہوتی ہیں، لیکن حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو اپنے پڑوسی پاکستان ہی کی تازہ مثال یہ بتانے کے لئے بالکل کافی ہے کہ مغرب زدہ اور تجدد پسند مسلم حکمراں اپنی اسلام دشمن خدمت طرازیوں کو عین اسلام باور کرانے کے لئے کس قسم کے علماء کی آڑ لیا کرتے ہیں۔ مدیر محترم کو معلوم تو ہوگا کہ اسلامیات کے بارے میں فیصلہ کن سفارشیں پیش کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے "معتبر علماء" کی جو کمیٹی بنائی ہے وہ کس شان کی ہے۔ اس میں دو کے علاوہ تمام ہی حضرات اس آن بان کے ہیں کہ انھیں ہنوز شراب، سود، قمار اور زنا تک کی حرمت پر پورا یقین نہیں ان کے علم کا سرچشمہ مغربی فکر و تہذیب کی کارگاہیں ہیں جہاں سے انھوں نے تھوڑا سا اسلام سیکھا ضرور ہے لیکن سیکھنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر اسلامی قدر کو مغربی سانچوں میں ڈھال سکیں۔ اگر پاکستان کے سرکاری علماء اس رنگ کے ہو سکتے ہیں تو اس مصر کے سرکاری علماء کیسے ہوں گے جس کے صدر مملکت عبدالناصر صاحب مطلق العنانی، جباریت، مکر و فریب، پروپیگنڈہ اور مغرب زدگی میں صدر پاکستان سے گزوں آگے ہیں۔ محترم فارقلیط صاحب غالباً صرف حسن ظن کی بناء پر کہہ گئے ہیں کہ مصر میں ترمیم شدہ پرسنل لاء کی تمام دفعات شریعت کے مطابق ہیں۔ ہماری معلومات اس کی تائید نہیں کرتیں۔

علاوہ ازیں شذرے کا بین السطور ٹھیک اسی اصولی خامی کی تائید کرتا نظر آرہا ہے جس کا شکوہ ہم نے جمعیت کی عاملہ کے فیصلے میں کیا۔ موصوف کو شکایت ہے کہ:-

> "بعض لوگ جب مسلم ممالک میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی کوئی بات سنتے ہیں تو انھیں یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ مسلم ممالک کا طرز عمل ہمارے لئے حجت نہیں۔ یہ بات تو پوری واقفیت کے

بعد کہنی چاہیئے۔"

ہم کہتے ہیں کہ پوری واقفیت حاصل کرنے کا مسئلہ بالکل جداگانہ مسئلہ ہے۔ اس محکم اور بنیادی اصول کا اعلان کرنے کے لئے کہ دوسرے کسی بھی ملک کا طرزِ عمل ہمارے لئے حجت نہیں ہے پوری واقفیت حاصل کرنے کا انتظار لایعنی بلکہ مضرت رساں ہوگا۔ جس طرح کسی نئے مدعیٔ نبوت کو جھوٹا قرار دینے کے لئے اس کے دلائلِ نبوت معلوم کرنے کا انتظار ذہنی کفر ہے اسی طرح اپنے مذہبی اُمور میں کسی کی مداخلت برداشت نہ کرنے کا اعلان دیگر ممالک کے طرزِ عمل پر منحصر کر دینا معقولیت اور اصول پسندی کی نفی ہے۔ مصر و پاکستان یا کسی بھی مسلم مملکت نے کوئی قانون واقعتہً خلافِ اسلام بنایا ہو یا نہ بنایا ہو۔ وہاں الف سے یا تک ملحدانہ دستور نافذ ہو جائے تب بھی ہم اپنے لئے اسے حجت اور نظیر ماننے کو ہرگز تیار نہیں۔ مدیر محترم کے الفاظ میں اگر اخبارات اور لیڈر یہ کہہ کر ہماری زبان بند کرنا چاہتے ہیں کہ مسلم ممالک میں بھی پرسنل لا میں ترمیم کی گئی ہے کیا وہاں کے مسلمان شریعت کے دشمن ہیں یا ہندوستان کے مسلمانوں نے اسلام کا ٹھیکہ لیا ہے۔ تو ہمارا جواب وہ نہیں جس کی طرف جمعیت کی عاملہ اور الجمعیۃ کے فاضل مدیر اشارہ کر رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ بے شک اپنے معاملاتِ دینی کے ہم خود ہی ٹھیکیدار ہیں بھینیاں کس کر یا طعنہ دیگر ہمیں مغالطہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہم نے جو بنیادی عقائد اللہ اور رسولؐ کے آفاقی ارشادات سے لئے ہیں وہ اضافی نہیں ہیں مستقل بالذات ہیں ان پر مصر یا پاکستان یا انڈونیشیا یہاں تک کہ مرکزِ اسلام حجاز تک کا طرزِ عمل اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اور یہ جو "شریعت دشمنی" کی تعریف کی گئی تو اس کی بے حقیقتی ایک مثال سے سمجھو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہندوستان نظری اعتبار سے سچائی، دیانت، عدل، اخوت اور دیگر اعلیٰ اقدار کا "دشمن" نہیں ہے پھر بھی یہاں عملاً ان قدروں کا کیا حال ہے؟ گلی گلی جھوٹ، بددیانتی، رشوت ستانی ملاوٹ، بلیک، برادر کشی اور سیاہ کاری کا دھندا چل رہا ہے تو اپنی تعریف کو یہاں بھی آزما کر دیکھو۔ یا تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ لوگوں کا بدکردار ہونا اس پر منحصر نہیں ہے کہ وہ اپنے "کردار دشمن" ہونے کا بھی اعتراف و اعلان ضرور کریں یا پھر کہنا پڑے گا کہ یہ ساری موجود برائیاں فی الحقیقت نیکیاں ہیں، لائقِ تقلید خوبیاں ہیں کیونکہ ہمارا ہندوستان چشم بددور "خوبیوں کا دشمن" تو نہیں ہے۔

اگر پہلی بات مانتے ہو تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کسی بھی مسلم حکومت کے لوگ مغالطے ہیں "اسلام دشمن" نہ ہوتے ہوئے بھی خلافِ اسلام اقدام و عمل کی جراُت کر سکتے ہیں ان کی حرکتوں کو فقط اس منطق سے اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ بظاہر مسلمان ہیں اور خود کو "اسلام دشمن" نہیں کہتے۔

اور اگر دوسری بات کہتے ہو تو تمہارا مقام پاگل خانے کے سوا کہیں نہیں۔ کوئی عملی برائی اور بے انصافی اس لئے خوبی اور انصاف نہیں مانی جا سکتی کہ اس کا ارتکاب کرنے والوں نے اپنے "انصاف دشمن" ہونے کا اعلان نہیں کیا ہے۔

الحاصل ہرزہ سراؤں کے جس طعن و تمسخر سے گھبرا کر جواب کا ایک کمزور رُخ اختیار کیا جا رہا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اگر سوال علم و استدلال کا ہو تو معترضین کے ہر ہر باطل اعتراض کو ہر رُخ سے کاٹا جا سکتا ہے، لیکن سوال تو بدقسمتی سے طاقت اور ضعف، جبر اور مجبوری، کمزوری اور ڈنڈے کا ہے عثمانیہ یونیورسٹی ڈنڈے کے زور سے اُردو کا مرقد بنا دی گئی مگر علم و استدلال منھ دیکھتے رہ گئے۔ سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت کو در آمد کر لیا گیا لیکن عقل و منطق نے سر پیٹ کر جنگل کی راہ لی ہمارے محترم رہنما اور اولو العزم علماء اگر دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا میں حکومت کی دراندازی ناقابلِ برداشت ہے تو کبھی بھی وہ کمزور موقف نہیں اختیار کرنا چاہیئے جس کا اظہار متذکرہ فیصلے سے ہوتا ہے بلکہ ادنیٰ سے ابہام، جھجک اور ایچ پیچ کے بغیر یہ محکم، قوی اور صحیح تر موقف اختیار کرنا چاہیئے کہ دنیا کے کسی ملک کا فعل و قول ہمارے دینی تصورات و عقائد کی کاٹ چھانٹ کے لئے استعمال

نہیں ہو سکتا۔ مصر ہو یا پاکستان، عراق ہو یا حجاز، ان کے کسی کارنامے کو ہم اپنے دینی معاملات میں خلل انداز نہیں ہونے دیں گے۔ نہیں ہونے دیں گے۔ نہیں ہونے دیں گے۔

تازہ برہان (دہلی) اور معارف (اعظم گڈھ) میں پرسنل لا کے موضوع پر شذرات آئے ہیں۔ ان کے وقیع اور قیمتی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے لیکن ہمارے ناقص خیال میں یہ بھی ایک ایسے فکری عنصر کی آمیزش سے خالی نہیں ہیں جسکے صالح اور خالص ہونے پر ہم خود کو مطمئن نہیں پاتے۔ افہام و تفہیم کی غرض سے انشاء اللہ اگلے ماہ اس بارے میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

مراسلہ

افسوسناک

محترمی جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اگست کا شمارہ ملا۔ "تجلی کی ڈاک" میں "حیرتناک" کی سرخی نظر آئی۔ سوال پڑھنے پر واقعی ہمارے اوپر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کہ کس جسارت کے ساتھ ایسی غلط باتوں کا انتساب استاذنا حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب کی ذات گرامی کی طرف کیا گیا ہے۔ آنجناب نے اپنے جواب کے آخری حصہ میں جس خلوص نیتی کا اظہار فرمایا ہے اس کے لئے ہم تمام طلبہ آپکے تہِ دل سے مشکور ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ انتساب سراسر غلط ہے اور مولانا نے ہرگز وہ باتیں نہیں کہی تھیں جن کا ذکر سائل نے کیا ہے اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ ہم طلبہ کو بھی اس میں ملوث کیا ہے۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ یہ حرکت کسی بدخواہ نے ہمارے شیخ سے محض کسی ذاتی پرخاش کی بناء پر کی ہے۔ ہم طلبائے بخاری دار العلوم احمدیہ سلفیہ نے ہرگز اس قسم کا کوئی استفسار بلکہ سرے سے کوئی سوال ہی آپکے مؤقر جریدے میں نہیں بھیجا ہے۔ ہم آپسے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنی ستمبر کی اشاعت میں ہمارا یہ تردیدی بیان نمایاں طور پر شائع فرمائیں تاکہ مولانا کے بارے میں ہند و پاک کے بیشمار ذہنوں میں جو بدگمانی پیدا ہو گئی ہے وہ دور ہو سکے ——— امید ہے کہ آپ ہماری اس درخواست کو شرف قبولیت بخش کر ہمیں شکریے کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ والسلام۔ از طرف:- طلبائے جماعت تامنہ دار العلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ

تجلی — اللہ تعالیٰ فتنہ پردازوں کو نیک توفیق دے۔ ۲۱ اگست کو دار العلوم احمدیہ سلفیہ کے انچارج صاحب کا خط بھی ہمیں موصول ہوا تھا کہ یہ دار العلوم کی عزت و وقار کا سوال ہے۔ لہذا آپ سوال کا اصل مسودہ ہمیں بھیجدیں۔ ہم نے ۲۳ کو جوابی رجسٹری سے اصل خط بھیجدیا ہے۔ خدا کرے یہ فتنہ طول نہ پکڑے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

آئینہ حیرت

سادہ دپُر کار طرز کے مشہور شاعر جناب عبد المجید حیرت کا منتخب کلام۔ دل آویز معیاری اور پُرلطف۔ دو روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔پی)

(اسی شمارے میں کسی جگہ خود مولانا عبد الرحمٰن صاحب کا خود نوشت تردیدی بیان شائع کیا جا رہا ہے)

مراسلہ

مکرمی تسلیم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ جولائی کے تجلی میں کراچی کے جلیل نامی ایک صاحب کا خط شائع ہوا جس میں موصوف نے اپنے تیسرے سوال میں جو جنوں کے متعلق ہے مزید ضمنی ۳ سوالات کئے ہیں جن میں سے ایک سوال جنوں کی عمر کا بھی ہے۔

اتفاق سے ایک حدیث نظر سے گذری تھی جو مندرجہ ذیل ہے۔ جس سے جنوں کی طویل عمر کے بارے میں ہمیں جو تعجب ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے۔

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گذشتہ رات حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ایک جن چھوٹ کر آیا اور میری نماز توڑ دانا چاہتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو عطا فرمایا تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دیکھ لو .... الخ"

چونکہ حضورؐ کے زمانہ اور سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہزاروں سال کا عرصہ ہے اس لئے اس حدیث سے جنوں کی طویل عمر کا پتہ چلتا ہے۔

اگر مولانا مناسب سمجھیں تو اس حدیث کو شائع کر کے یہ بتا دیں کہ جنوں کی عمر طویل ہوتی ہے اور مزید مناسب تشریح فرما دیں۔

آپ کا مخلص محمد عبد العزیز

نارائن کھیڑی ضلع میدک آندھرا

تجلی

لیجئے آپ کی خواہش کے احترام میں گرامی نامہ شائع کر دیا گیا۔ لیکن ہم ابھی تک اسی خیال پر قائم ہیں کہ جس سوال کا جواب علیٰ وجہ البصیرت دینے کی اہلیت آدمی میں نہ ہو اس کے جواب میں مختصر سی معذرت ہی محفوظ اور بہتر راستہ ہے۔ جنوں سے متعلق متعدد احادیث ہماری بھی نظر میں تھیں لیکن سوال کی نوعیت کے پیش نظر ان احادیث کا تذکرہ لا حاصل معلوم ہوا۔ جنوں کی عمر ہزاروں برس طویل ہوتی ہے۔ حدیث سے اس کی تائید پیش کر دینا اگرچہ سائل کے ایک ضمنی سوال کا جواب ضرور ہے لیکن اصلاً جو گورکھ دھندا سوال میں پایا جا رہا ہے اس کا کوئی حل نقل فرمودہ حدیث سے نہیں نکلتا بلکہ اس کا حل کوئی ایسا ہی ماہر فن کر سکتا ہے جو اس طرح کے گورکھ دھندوں میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔

ویسے سچ پوچھئے تو ایسے گورکھ دھندوں سے ہم سخت بیزار ہیں۔ یہ دین فطرت کے حقیقی تقاضوں سے غافل کر دینے والے مسائل و مشاغل ہیں۔ وہی لوگ ان میں دلچسپی لے سکتے جنھیں کرنے کا کوئی اور کام نہ ہو۔ غالباً اگلے شمارے میں اس موضوع پر ایک عنایت فرما کا مفصل اور دلچسپ خط شائع کیا جائے گا۔

خریدار حضرات اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں

نہایت نفیس عکسی قرآن اور حمائلیں

آرڈر میں صرف وہ نمبر لکھ دینا کافی ہے جو ہر ایک کے ساتھ درج ہے

قرآن

• ترجمہ شیخ الہند • تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی
یہ مقبول ترین مترجم قرآن مجید کچھ دنوں سے نایاب تھا۔ الحمدللہ اب کچھ نسخے مہیا ہوئے ہیں۔ نفیس ایڈیشن۔ ہدیہ مجلد ۲۵ روپے (اس کا نمونہ نہیں بھیج سکیں گے)۔

قرآن دو ترجمے والا ۶۸

• (۱) مولانا شاہ رفیع الدین
• (۲) مولانا اشرف علی
حاشیے پر مستند تفاسیر کا خلاصہ۔ آغاز میں انبیاء و صحابہ کے احوال، مقدمہ، سورتوں کے خواص، غزوات کے تذکرے اور اسی نوع کی دیگر مفید چیزیں اردو میں دی گئی ہیں۔ لکھائی چھپائی نفیس۔ کاغذ اعلیٰ آرٹ پیپر دبیز۔ زمین سبز۔
ہدیہ مجلد رنگین چودہ روپے۔ مجلد چرمی سولہ روپے۔
یہی قرآن نسبتاً ہلکے کاغذ پر (اس کا نمبر ۶۶ ہے) زمین سبز۔ رنگین تیرہ روپے۔ مجلد چرمی ساڑھے سولہ روپے۔ یہی قرآن چھوٹا ہلکے کاغذ پر (اس کا نمبر ۶۷ ہے) زمین حنائی۔ مجلد رنگین بارہ روپے۔ مجلد چرمی ساڑھے تیرہ روپے۔

قرآن ایک ترجمہ والا ۶۲

• ترجمہ مولانا اشرف علی
• حاشیہ تفسیر بیان القرآن
سائز تجلی سے کچھ بڑا۔ کاغذ ولایتی سفید۔ آغاز قرآن میں بہت سی مفید چیزیں مثلاً سورتوں کے خواص، ان ناموں کی تفصیل جو قرآن میں آئے۔ ان مقامات کا نقشہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ مجلد رنگین کا ہدیہ بارہ روپے۔
مجلد چرمی ساڑھے تیرہ روپے

قرآن بلا ترجمہ ۳/۵

کاغذ آرٹ پیپر ولایتی۔ کتابت قطعی بے نظیر۔ ہر سطر کے بعد لائن۔ حروف کشادہ۔ تجلی سائز۔ کمزور نگاہ والوں کیلئے بہت عمدہ۔ مجلد رنگین ہدیہ آٹھ روپے۔ چرمی ساڑھے گیارہ روپے۔

حمائل مترجم ۳۵

• ترجمہ مولانا فتح محمد صاحب۔
• حاشیے پر مختصر تفسیر۔ زمین سبز۔
کاغذ ولایتی۔ سائز تجلی سے نصف۔ مجلد پلاسٹک کور۔
ہدیہ گیارہ روپے

حمائل مترجم

• ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔
• تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی۔
زمین حنائی۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ سے کچھ بڑا۔ غیر مجلد بارہ روپے۔ مجلد رنگین ساڑھے تیرہ روپے (اس کا نمونہ نہیں بھیج سکیں گے)

حمائل بلا ترجمہ ۲۳

کاغذ سفید مضبوط۔ سائز تجلی سے نصف۔ حروف کافی روشن۔ ہر سطر کے بعد لائن۔ مجلد کرنج ہدیہ پانچ روپے۔

حمائل ۱۳

بالکل ۲۳ جیسی۔ بس فرق یہ ہے کہ ہر سطر کے بعد لائن نہیں ہے۔ مجلد پلاسٹک۔
ہدیہ پانچ روپے

حمائل ۲۶ بلا ترجمہ

پاکٹ سائز۔ کاغذ باریک اور چکنا۔ بائبل پیپر۔ سفر کیلئے خاص تحفہ۔ جلد پلاسٹک کور۔ ہدیہ مجلد چار روپے۔

حمائل ۲۴ بلا ترجمہ

بہت ہی مختصر سائز۔ حافظوں کے مطلب کی۔ کاغذ عمدہ۔ جلد پلاسٹک کور۔ ہدیہ دو روپے۔

نمونہ مفت طلب فرما سکتے ہیں

مکمل فہرست کتب مفت طلب کریں

مکتبہ تجلی۔ دیوبند۔ (یو۔پی)

صحیفہ ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہؓ کا مرتب کیا ہوا اقدم ترین مجموعۂ حدیث مع تشریح - مکتوبات نبوی صلعم کے فوٹو بھی شامل کتاب ہیں - قیمت ساڑھے تین روپے ۳/۵۰

سچے رسولؐ کی سچی تعلیم زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق تعلیماتِ رسالت کا ایمان افروز مجموعہ - قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک از مولانا مسعود عالم ندوی - ڈھائی روپے

مقالاتِ شیخ الہندؒ وحی کی حقیقت اور ایمان و دیانت کے باہمی ربط پر ایمان افروز گفتگو - مشہور مفسر قرآن مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ کے قلم سے قیمت ایک روپیہ ۱/-

درویشی کیا ہے؟ مشائخ و صوفیاء کے ایمان افروز ارشادات قرآن و سنت سے ہم آہنگ - بلیغ و نفیس توضیح - سوا دو روپے ۲/۲۵

محمد بن عبدالوہابؒ ایک مظلوم اور بدنام مصلح کی مستند سوانح - مولانا مسعود عالم ندویؒ کے قلم سے - قیمت پونے تین روپے - ۲/۷۵

کراماتِ صحابہؓ از مولانا اشرف علی تھانویؒ قیمت ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

محاسن اسلام اسلام کی خوبیوں پر مولانا اشرف علیؒ کی ایمان افروز تقریر - ڈیڑھ روپیہ -

عبقات اختلافی موضوعات اور علوم تصوف پر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی مشہور کتاب - ترجمہ از:- مولانا مناظر احسن گیلانی - ساڑھے دس روپے -

زبدۃ المناسک حج اور احکام حج پر مفصل و مدلل کتاب مصنفہ:- استاذ الاساتذہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ - ہدیہ مجلد آٹھ روپے - ۸/-

فتوح الغیب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مقالات کا اردو ترجمہ - ڈھائی روپے ۲/۵۰

حقوق الاسلام اپنے وقت کے زبردست عالم قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی مفید ترین تصنیف جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کی رو سے کس پر کس کا کیا حق ہے - اللہ، رسولؐ، صحابہؓ، علماء، والدین، اقرباء، حاکم، شوہر بیوی، اولاد، پڑوسی غرض ہر ایک کے حقوق کی تفصیل - رسالہ سماع و مزامیر بھی شامل کتاب ہے - اردو ترجمہ عام فہم - قیمت مجلد دو روپے - ۲/-

بہشتی زیور مکمل مدلل کون پڑھا لکھا آدمی ہے جس نے مولانا اشرف علیؒ کی اس بیش بہا اور مقبول ترین کتاب کا نام نہ سنا ہوگا - ہر مسلمان گھر کے لئے ایک مفتی، عورتوں کا مشیر، مردوں کیلئے مستقل رہنما - اس کا عمدہ اور صاف ستھرا ایڈیشن ہم سے طلب فرمائیے - دو جلدوں میں مکمل بارہ روپے - مجلد پندرہ روپے -

بدعت کیا ہے؟ بدعتوں کے رد اور سنتوں کے اثبات میں ایک مشہور و مقبول کتاب - عرس، قوالی، تیجہ، چہلم، الاباس کے لئے چیلنج - مجلد تین روپے -

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا غیر مسلموں کی شہادتیں اور اعترافات - ۷۵ پیسے

عمرو بن العاصؓ اس صحابی رسولؐ، فاتح مصر، تلوار کے دھنی اور بلند پایہ مدبر کی داستانِ حیات جسے خود اللہ کے رسول صلعم نے "مدبر اسلام" کے خطاب سے نوازا - بیحد دلچسپ، اثر انگیز اور مستند - مجلد سوا دو روپے -

فاران کا توحید نمبر سیکڑوں صفحات کا یہ نمبر ماضی قریب میں بڑی شہرت پا چکا ہے اب پھر شائع کیا گیا ہے - بدعت و زندقہ کے رد اور سنت کے اثبات میں بے نظیر چیز ہے - چوٹی کے علماء کے مضامین سے مزین - ساڑھے چار روپے (مجلد چھ روپے) شائقین فوراً طلب کریں ورنہ پھر پہلے کی طرح ختم ہو جائے گا اور فرمائشیں بے کار کرنی پڑیں گی -

اسلام کیا ہے؟ مجلد قیمت ڈھائی روپے ۲/۵۰

مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیے -

مسلمان اور ہندوستانی قومیت

جناب عبداللطیف اعظمی (ایڈیٹر ماہنامہ جامعہ)

۱۶ر جولائی ۶۳ء

محترمی السلام علیکم

آج اتفاق سے جون کے "تجلی" میں ماہنامہ جامعہ دہلی کے ایک مضمون کے بارے میں ایک استفسار اور آپ کا جواب نظر سے گذرا۔ استفسار میں پروفیسر آل احمد سرور کے ایک ایک مضمون "ہندوستانی قومیت اور مسلمان" کا ایک اقتباس دیا گیا ہے اور آپ سے پوچھا گیا ہے کہ "اس رائے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

نقل کردہ عبارت میں دو باتیں کہی گئی ہیں جو بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر قرآن میں اسلام کی حقیقی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے اور دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ مولانا آزادؒ نے اپنی زندگی کے ذریعہ سے ثابت کیا ہے کہ قومی زندگی میں دل وجان سے شرکت ہی اقلیتوں کے لئے صحیح راہ عمل ہے۔ سوال کرنے والے بزرگ جو ایک غزل گو شاعر ہیں۔ اس کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ ان سیدھے سادے جملوں میں کیا بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جو آپ سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ یا ان دونوں باتوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے ان کو اختلاف ہے تو اسے بیان کرنا چاہئے تھا، تاکہ آپ اسی کے مطابق جواب دیتے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے جواب لکھا ہے مگر استفسار کی وضاحت کی آپ کو ضرورت نہیں تھی تو کم سے کم آپ کو پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون تو پڑھ ہی لینا چاہئے تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ "افسوس ہمیں ماہ جون کا جامعہ نہیں مل سکا۔" مجھے نہیں معلوم کہ اس کے حصول کیلئے آپ نے کیا کوشش کی تھی جس میں ناکامی ہوئی، لیکن اسکا یقین ہے کہ اگر آپ اظہار رائے کے لئے یہ شمارہ مفت بھی طلب کرتے تو ضرور مل جاتا۔ لیکن اس سے زیادہ عجیب اور افسوسناک بات یہ ہے کہ آپ نے اصل عبارت تحریف کر کے وہ مطلب پیدا کر دیا ہے جو مضمون نگار نے نہیں لکھا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے یہ بالکل نہیں لکھا ہے کہ مولانا آزادؒ نے اپنی تفسیر قرآن میں ہندوستانی قومیت کی حمایت اور تائید کی ہے مگر آپ بلا تامل ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ "وہ (سرور صاحب) گمان کرتے ہیں تفسیر القرآن کا سارا لب لباب فقط یہ ہے کہ اقلیتیں قومی زندگی میں دل وجان سے شرکت کیا کریں اور بس۔"

آگے چل کر آپ مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ "ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں کہ ہندوستان کے تمام ہی باشندوں کو مل جل کر اپنے وطن کی خدمات انجام دینی چاہئیں اور مولانا آزادؒ کی تفسیر یا ان کے اسوے نے اگر یہی تعلیم دی ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد، لیکن یہ کہنا کہ یہی تعلیم اسلام کی حقیقی تعلیم ہے اور اسی کی بنیاد پر مولانا آزادؒ کی تفسیر کو سب سے بڑی خدمت قرار دینا ایک خاص نوع کے سیاسی انداز فکر کی بازگشت کے سوا کوئی مفہوم نہیں رکھتا۔"

آپ کے بارے میں یہ گمان تو نہیں کیا جا سکتا کہ سرور صاحب کی چند سطری صاف اور سادہ عبارت سمجھنے میں آپ قاصر رہے۔ یہ تصور کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے کہ آپ نے قصداً

عبارت میں تحریف کی ہے۔ اب آپ ہی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آپ کو یہ غلط فہمی کیوں کر ہوئی؟

پروفیسر آل احمد سرور نے زیر بحث مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس پر گفتگو کرنے کا یہ نا سب موقع نہیں ہے لیکن ناظرین "تجلی" کو اس مضمون کے بارے میں صحیح واقفیت بہم پہنچانے کے لئے ذیل میں چند مختصر اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ خود سرور صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں اس کا نمبر وار خلاصہ دیدیا ہے۔ جناب عبدالمجید صاحب حیرت نے آپ کو جو اقتباس بھیجا تھا وہ اسی خلاصہ کا آٹھواں نمبر ہے۔ میں نمبر ۱ اور نمبر ۲ پیش کرتا ہوں:

۱۔ اسلام اور قومیت میں کوئی تضاد نہیں ہے ہندوستانی مسلمان اسلام کے سچے پیرو ہوتے ہوئے ہندوستانی قومیت کے علم بردار رہ سکتے ہیں۔ اس راہ میں جو رکاوٹیں ہیں وہ حسن تدبر سے دور کی جا سکتی ہیں۔ رکاوٹوں کی ذمہ داری میں سب شریک ہیں۔

۲۔ قومیت کا تصور جیسے جیسے فروغ پاتا جائے گا اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا جائیگا اسی نسبت سے اکثریت میں مذہب کی بنیاد پر سیاست کو متعین کرنے کا جذبہ کمزور ہوگا اور اگر اقلیت مذہبی بنیاد پر سیاست نہیں چلائے گی تو یہ عمل اور جلد ہوگا۔

مضمون میں ایک جگہ سرور صاحب نے اکثریت کے بارے میں لکھا ہے:

"ہندوستانی قوم اگر اپنے جمہوری نظام، قومی بنیاد، غیر مذہبی ریاست کے تصور کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری دیکھنا چاہتی ہے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو جوش اور طمانیت بخشے اور ان کے روحانی سرمائے کو جو اسلام کے نام سے دنیا کے سامنے ہے اپنائے اور اس سے حسب توفیق مدد لے۔ یہ مدد شراب بندی کے قوانین اور ہندو کوڈ بل کے سلسلے میں اب بھی لی جا رہی ہے اور ابھی اس سلسلے میں بہت سے امکانات ہیں۔" والسلام

تجلی

بہت بہت شکریہ کہ آنجناب نے گرامی نامے سے نوازا۔ جو ذہنی کوفت آپ کو میرے جون والے جواب سے ہوئی ہے اسکے لئے میں تہہ دل سے معافی چاہتا ہوں۔ اسے میری نااہلی ہی سمجھئے کہ آپ جیسا دیدہ ور میری معروضات پر نہ صرف معترض ہوا بلکہ خط لکھنے پر بھی مجبور ہوا۔ لیکن میری ناقص فہم اب بھی یہ نہیں ادراک کر سکی ہے کہ "تحریف" آپ نے کس چیز کو قرار دیا ہے۔ کسی شخص کی عبارت سے اگر کوئی من مانا مفہوم لے لیا جائے تو اسے بے شک تحریف معنوی کہتے ہیں لیکن آپ تو ناچیز کو اصل عبارت میں تحریف کا مجرم گردان رہے ہیں حالانکہ اصل عبارت تو سائل کے خط سے جوں کی توں نقل کر دی گئی ہے اور جواب میں جو بھی مفہوم بندے نے اس عبارت کا لیا ہے وہ اگر آپ کی دانست میں غلط بھی ہو تو بہر حال میں اسے واوین (کوامے) دیکر نہیں لکھا ہے کہ اس پر کسی کو خود آل احمد سرور صاحب کی عبارت ہونے کا دھوکا ہو۔ پھر یہ الزام کیسا کہ:

"آپ نے اصل عبارت میں تحریف کر کے وہ مطلب پیدا کر دیا کہ ۔ ۔ ۔"

خیر آپ کا الزام سر آنکھوں پر۔ لیکن تشویشناک بات یہ ہے کہ بندے کی ناقص فہم تو آپ کے توضیحی مکتوب کے بعد بھی یہ سمجھنے سے قاصر رہی ہے کہ میرے جون والے معترض فیہ جواب میں کونسی سطر یا کونسا لفظ ایسا ہے جس سے مجھے رجوع کر لینا چاہئے۔ جناب آل احمد سرور صاحب فرماتے ہیں کہ:

"مولانا آزاد نے سب سے بڑی خدمت یہ کی ہے کہ ۔ ۔"

کیا اس ارشاد میں لفظ "خدمت" واحد استعمال نہیں کیا گیا؟ ــــ اگر کیا گیا تو کھلی بات ہے کہ اب آگے ایک ہی سب سے بڑی خدمت کا بیان ہوگا۔ آگے اس ایک خدمت کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے:

"کہ اپنی تفسیر القرآن کے ذریعے اسلام کی حقیقی تعلیم پر روشنی ڈالی اور اپنی زندگی کے ذریعے یہ ثابت

کر دیا کہ قومی زندگی میں دل و جان سے شرکت ہی
اقلیتوں کے لئے صحیح راہِ عمل ہے۔"

لفظ "تعلیم" بھی یہاں واحد ہی استعمال کیا گیا ہے نیز یہ بھی پھر قومی زندگی میں شرکت کی بات حرفِ عطف "اور" کے ساتھ اسی کے ساتھ مربوط نظر آ رہی ہے۔ تو کیا یہ مفہوم نکالنے کا کوئی موقع نہیں کہ اسلام کی حقیقی تعلیم سے لکھنے والے نے وہی چیز مراد لی ہے جسے مولانا آزادؒ نے اپنی زندگی کے ذریعے عملاً ثابت کیا ہے؟

چھوڑیئے۔ اپنے قصور کے اعتراف یا انکار سے قطع نظر چند باتیں آپ کے ان دو نمبروں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں جنھیں آپ نے سرور صاحب کے مضمون سے توضیحاً نقل کیا ہے۔ ان کے جواب ہی پر میرے جن ذرا سے معروضے کے خطا و صواب کا انحصار ہے۔

(۱) مجھے بتائیے ہندوستانی قومیت سے مراد کیا ہے۔ اگر محترم سرور صاحب نے اپنے کسی قلم پارے میں اس اصطلاح کا جامع و مانع مفہوم بیان فرمایا ہے تو براہِ کرم وہ مجھے بتا فرما دیں اور اگر نہیں فرمایا تو خود آنجناب زحمت فرمائیں کہ جس ہندوستانی قومیت کی تدریس موصوف نے شروع کی ہے اس کا ٹھیک ٹھیک منشاء، حدود، جغرافیہ کیا ہے؟ اس کے بعد ہی موصوف کے گراں قدر خیالات کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ عاجز کا خیال ہے کہ آج کے دورِ تشکیک میں اصطلاحات سے بڑا جادو کوئی نہیں۔ پہلے اصطلاحات مقصد و منشاء کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہوا کرتی تھیں لیکن آج ان سے بڑا کوہِ گراں مقصد و منشاء کی راہ میں کوئی نہیں یہ ایک خوشنما برقعے کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں کہ ہم یا آپ نقاب سرکائے بغیر بالکل نہیں جان سکتے کہ اندر کوئی پری جمال ہے یا ایک حبشن جس کے چہرے پر برص کے داغ ہیں۔ زہرِ قاتل لیجئے اور کسی خوبصورت سی اصطلاح کے نظر فریب غلاف میں لپیٹ کر پیش کر دیجئے بے شمار ہاتھ اسے شوق سے ہونٹوں تک لے جائیں گے۔ اصطلاحات ــ خصوصاً سیاسی اصطلاحات۔ ــ خدا کی پناہ! آپ سرور صاحب کی عبارت کو صاف، سادہ بتاتے ہیں لیکن میں اسے بے حد مبہم پا رہا ہوں۔ از راہِ کرم "ہندوستانی قومیت" کے خد و خال واضح فرمائیں نیز یہ بھی بتائیں کہ "اسلام" سے کیا مراد ہے ــ "اسلام" بھی ایک اصطلاح ہی ہے۔ پہلے یہ اصطلاح متفقہ طور پر قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے عبارت تھی، لیکن آج اسے اور بہت سی اصطلاحات کی طرح حسبِ مراد سانچوں میں ڈھالا جا چکا ہے۔ ایک اسلام وہ ہے جس کے امامِ عصر لاہور والے غلام احمد پرویز صاحب ہیں ــ ایک اسلام قادیانیوں کا ہے۔ ایک اسلام وہ ہے جس کا پہلا اور آخری کلمہ "یا حسینؓ" ہے۔ جناب سرور صاحب کے بیش قیمت فرمودات کا ٹھیک ٹھیک منشاء اسی صورت میں سمجھا جا سکتا ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ "ہندوستانی قومیت" اور "اسلام" کے اصطلاحی الفاظ وہ کس مفہوم میں بول رہے ہیں۔

(۲) فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اگر اقلیت مذہبی بنیاد پر سیاست نہیں چلائیگی
تو یہ عمل اور جلد ہوگا۔"

یہ فرمودہ بھی توضیح طلب ہے۔ مذہبی بنیاد پر سیاست چلانے نہ چلانے کی بات بظاہر سادہ ہونے کے باوجود حقیقتاً خاصی پُر پیچ ہے۔ مثلاً اسی تازہ مسئلہ کو لیجئے کہ حکومت مسلمانوں کے پرسنل لا میں اصلاحات کا ارادہ کر رہی ہے۔ ہندوستانی قومیت کا ایک علمبردار کہہ سکتا ہے کہ اس ارادے کی مخالفت دراصل سیاست کو مذہبی بنیاد پر چلانے کے مرادف اور قومیت کے تقاضوں کی نفی ہے۔ ہندوستانی دستور کا ایک رہنما اصول یہ ہے کہ ریاست پورے ہندوستان کے لئے یکساں شہری ضوابط (سول کوڈ) تشکیل دینے کی جدوجہد کرے گی۔ جو لوگ پرسنل لا کے سلسلے میں شور مچائے ہوئے ہیں وہ اس رہنما اصول سے انحراف کر کے "ہندوستانی قومیت" کے احساس سے تہی دامن ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

دوسری مثال یہ ہے کہ آج کی ہندوستانی سیاست میں "پارٹی" کو خدا کا منصب دے دیا گیا ہے۔ جب پارلیمنٹ میں کانگریس کی طرف سے کوئی بل پیش ہوتا ہے تو دھپ کی

طرف سے کانگریسی ممبروں کے نام حکمنامہ جاری کردیا جاتا ہے۔ گویا بل کے کسی جزو یا پورے ہی بل سے کسی ممبر کو دیانۃً کتنا ہی اختلاف ہو لیکن سیاست کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی لاش پر کھڑا ہو کر بل کی حمایت کرے یا کم سے کم الخاموشی نیم رضا کا ثبوت دے۔

اب بتائیے اگر ایک ممبر کا مذہب اس روش کو بدترین قرار دیتے ہوئے قطعی حکم دیتا ہے کہ عدل وصداقت کا ساتھ دو اور اس حکم کے تحت یہ شخص سیاست کا تقاضا ٹھکرا دیتا ہے تو سرور صاحب کیا فرمائیں گے — آیا وہ اسے مذہبی بنیاد پر سیاست چلانے کا نام دیں گے۔ یا اس کی تحسین کریں گے۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سرور صاحب مذہب کو کس حد تک سیاست سے بے دخل کرنے کے قائل ہیں۔ آپ کوئی معین مثال دے کر سمجھائیں کہ فلاں فرد یا جماعت سیاست کو مذہب کی بنیاد پر چلانے کی مجرم ہے اور فلاں جماعت کی روش اس خطا سے پاک ہے تبھی سرور صاحب کا دلی منشا مصرح ہو سکے گا۔ تجلی کے صفحات آپ کے لئے حاضر ہیں بشرطیکہ آپ اصطلاحوں اور اشاروں کے عوض صاف وسادہ الفاظ میں تفہیم فرما سکیں۔ سرور صاحب کے مقالہ میں اگر واقعۃً ملتِ مسلمہ کے لئے کوئی مفید پیغام اور لائق التفات سبق موجود ہے تو بندہ خود بھی اس کے ابلاغ میں شریک ہو جائے گا۔ تعاونوا علی البر والتقوی

ماہنامہ "تحریک" دہلی

اکتوبر میں اپنا چین نمبر شائع کر رہا ہے

چین کے ثقافتی اور سماجی ماحول اور اس کے سیاسی طریق کار پر تفصیلی مباحث

سرخ سامراج کے خلاف ایک بھرپور نظریاتی وار

چند مندرجات

- چین کے ارباب علم — چین کی ڈھائی ہزار سالہ ادبی تاریخ اور چینی دانشوروں کا موجودہ احوال۔
- پیکنگ کا متحدہ محاذ — کمیونسٹوں کے متحدہ محاذ کے ہتھکنڈوں کا کچا چٹھا۔
- چین کی سیاحت — غیر ملکی سیاحوں کو چینی حکومت جو لالچ دیتی ہے ان کا تفصیلی ذکر۔
- بے چینی کا موسم — چینی نوجوانوں کی تحریک سرکشی کی روداد جو چینی شہادتوں پر مبنی ہے۔
- بدقسمت سپاہی — ایک چینی سپاہی کی انکشاف انگیز آپ بیتی جو ناول سے زیادہ دلچسپ ہے۔
- ماؤ سی تنگ کے نام کھلا خط — چین کے مشہور ماہر تعلیم پروفیسر یانگ شیہہ چان کا خط جو ہنکاؤ کے روزنامے "چانگ چانگ" میں شائع ہوا۔ یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے!

ہماری کامیابیاں کہاں ہیں؟

"تحریک" کا یہ خاص نمبر وقت کی ایک اہم ادبی اور سیاسی دستاویز ہوگا — قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے۔

سالانہ خریداری قبول کرنے والوں کو بلا قیمت پیش کیا جائے گا — سالانہ قیمت :- چار روپے۔

منیجر ماہنامہ تحریک ۹ انصاری مارکیٹ ۔ دریا گنج دہلی

تجلی کی ڈاک

جماعت اسلامی اور جماعت سازی

سوال :- از محمد اسعد اسرائیلی سنبھل (مراد آباد)

جماعت اسلامی کے حضرات کبھی کبھی کہتے ہیں کہ اسلام بس کتابوں میں ہی رہ گیا ہے۔ عملی جد و جہد بالکل نہیں۔ حضرات علمائے کرام فقہ کی کتابوں اور اسلام کے عمرانی و سیاسی نظام کا برابر مطالعہ کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی عملی جد و جہد نہیں کرتے سوال یہ ہے کہ جماعت اسلامی کا وہ کونسا عمل ہے جس پر "حکومتِ الٰہیہ کی کوشش" کہے جانے کا اطلاق ہو سکتا ہے کتابیں چھاپنے کے علاوہ وہ کونسا نیا کام کر رہی ہے؟ کتابیں پڑھنے اور چھاپنے اور جلسے سننے کے علاوہ کونسا کام ہے جو اسے اس کے مقصد کے قریب کر رہا ہے؟

اس کے علاوہ اس کے مقصد سے انکار کرنے والے بھی معدودے چند ہیں پھر جماعت کی تشکیل سے کیا فائدہ؟ بالفاظ دیگر جماعتیں کیوں بنائی جاتی ہیں ان کا فائدہ کیا ہے؟

اسلام میں اجتماعیت کا مفہوم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ کا ارشاد لا اسلام الا بجماعۃ اس کے متعلق چند سوال ہیں:-

(۱) کیا اس جماعت سے مراد کوئی اصطلاحی جماعت (پارٹی) ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا ثبوت؟

(۲) اگر اس جماعت سے مراد پارٹی نہیں بلکہ اسلامی اجتماعیت کی روح در مسائل و مسائل مراد ہے تو مولانا مودودی نے اسے جماعت اسلامی کے حق میں کیوں استعمال کیا؟

(۳) اگر لا اسلام الا بجماعۃ سے حضرت عمرؓ کی یہ مراد ہے کہ جب تک کوئی مسلمان کسی جماعت میں شامل نہ ہو اس کا اسلام نامکمل رہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ پارٹی میں شرکت سے اسلام میں کیا زیادتی ہوتی ہے؟

الجواب :-

آپ کا سوال کئی ایسے سوالوں کا مجموعہ ہے جنہیں ذہنی انتشار نے ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ تنقیح کے ساتھ جواب پیش کروں۔

(۱) یہ بات کہ "اسلام بس کتابوں ہی میں رہ گیا ہے عملی جد و جہد عنقا ہے" فقط جماعت اسلامی ہی نہیں کہتی بلکہ ساری دنیا کہتی ہے۔ اسی مفہوم کے لئے تو ایک کہاوت بھی خاصی عام ہو گئی ہے۔

مسلمانی در گور و اسلام در کتاب

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ لہٰذا اسے فقط جماعت اسلامی کی طرف منسوب کر کے بطور اعتراض پیش کرنا مذاق بلکہ ستم ظریفی کا دلچسپ نمونہ ہے۔

پھر اس سلسلے میں اچانک حکومتِ الٰہیہ کا ذکر کر بیٹھنا اور بھی لطیفہ ہے۔ جماعت اسلامی یا کوئی بھی جماعت یا فرد اگر مسلمانوں کی تمام بے عملی اور علماء کے تعطل پر آنسو بہاتا ہے تو اس کا یہ مطلب آپ کیسے لے لیا کہ وہ حکومتِ الٰہیہ کے فراق میں رو رہا ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کی اصطلاح تو بہت دن ہوئے سرد خانے میں جا چکی

اور ہمارے نزدیک یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ یہ اصطلاح اپنے حقیقی مفہوم میں اگرچہ نہایت پاکیزہ اور محمود ہے لیکن اس کے الفاظ چونکہ غلط فہمیوں کا موجب ہوتے رہے ہیں اور اسے من مانے سیاسی معنی پہنانا بہتیروں کے لئے آسان ہے اس لئے بہت اچھا کیا اگر جماعت اسلامی نے اسے گوشۂ عزلت میں رکھ دیا۔ پھر یہ آپ حکومتِ الٰہیہ کا شوشہ کیوں لے بیٹھے؟

خوب سمجھ لیجئے جماعت اسلامی کا نصب العین اصطلاحات کے چکر سے ہٹ کر واضح اور غیر مبہم الفاظ میں پہلے بھی یہ تھا اور آج بھی یہی ہے کہ معاشرے میں ان افکار و تصورات کو غالب کرے جو اللہ کو محبوب ہیں اور اُن نظریات و اعمال کو بیخ و بن سے اکھیڑ دے جو اللہ کی نافرمانی کا مظہر ہیں۔ اس نصب العین کا تعارف اگر مختلف اوقات میں حکومتِ الٰہیہ اور اقامتِ دین جیسی اصطلاحوں سے کرایا گیا ہے تو اس کی موجد بھی جماعت اسلامی نہیں ہے بلکہ بہت پہلے سے ایسا ہوتا آرہا ہے۔ آپ تعارفی الفاظ کے چکر میں مت پڑیئے بلکہ یہ دیکھئے کہ خود نصب العین میں کیا خرابی ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہی وہ نصب العین ہے جس کے لئے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔ اسی کو قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جامع الفاظ میں تمام امت کے لئے مؤکد فرمایا ہے اور یہی ہر مسلمان کا منتہائے نظر ہونا ہی چاہیئے۔

(۲) آپ پوچھتے ہیں کہ جماعت اسلامی اس نصب العین کے لئے سوائے تبلیغی اور زبانی جمع خرچ کے کیا کر رہی ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود آپ بتائیے اسے یہ سب چھوڑ کر اور کرنا کیا چاہیئے؟

ایک غریب آدمی خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے نوعمر بیٹے کو ولایت پاس کرائے گا۔ اس خواب کی تعبیر سے ہم آغوش کرنے کے لئے وہ ایک طرف بیٹے کو پرائمری میں داخل کر دیتا ہے دوسری طرف کسی تاجر کے یہاں دو گھنٹے کیلئے بہی کھاتے کی ملازمت کر لیتا ہے تاکہ دن بھر کسی دوسری جگہ ملازمت کرنے کے بعد جو فرصت ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی کچھ کما سکے اور اس ذیلی ملازمت سے حاصل شدہ پیسہ بیٹے کی خاطر جمع کرے۔ تیسری طرف وہ ایک بڑے آفیسر کے گھر کا سودا سلف بھی مفت لانے کی خدمت انجام دیتا ہے کیونکہ اسے امید ہے کہ آگے چل کر یہ آفیسر اس کے بیٹے کو ولایت بھجوانے میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

اب غور کیجئے۔ جس وقت وہ بہی کھاتے میں سر کھپا رہا ہوتا ہے یا جس وقت وہ ترکاری والے سے آفیسر صاحب کے لئے ایک روپے کے ٹماٹر خرید رہا ہوتا ہے اس وقت کیا اس کے اس عمل میں اور اس خواب میں جسے اس نے زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے کوئی محسوس مرئی ربط ہوتا ہے؟ کیا کوئی ظاہر بین آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ بالکل غیر متعلق سے کام اسے ایک دور افتادہ نصب العین کی طرف بڑھا رہے ہیں؟

ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اصلاً ان کاموں کا نصب العین سے گہرا تعلق ہے دونوں میں ایک مخفی لیکن منطقی ربط موجود ہے۔ ایسا قوی ربط جیسا کہ روٹی پکانے اور درخت سے لکڑی کاٹنے میں پایا جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جماعت اسلامی کے بارے میں سوچئے۔ آپ جانتے ہیں کہ شخص مذکور کے بیٹے کو مدتوں تک اپنے وطنی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنا ہوگا۔ باپ کو عرصۂ دراز کی محنت سے پیسہ جمع کرنا ہوگا۔ پھر سفارش اور خوشامد کے چکر چلیں گے۔ تب کہیں جا کر یہ نظر آئے گا کہ بیٹا جہاز میں بیٹھ کر ولایت جا رہا ہے۔ اسی طرح جماعت اسلامی کو بھی اپنے نصب العین کی خاطر مدتوں ایسے کام کرنے ہوں گے جو بادی النظر میں تو اس کی منزلِ علیا سے کوئی محسوس رشتہ رکھتے نظر نہ آئیں، لیکن معنوی حیثیت سے وہ بالیقین اس سے مربوط ہوں۔ فرق یہ ہے کہ ایک بچے کو ولایت پاس کرانے کا نصب العین تو ایک سادہ معمولی سا نصب العین ہے جس کی راہ میں کوئی کوہِ گراں حائل نہیں۔ اس کا زمانی فاصلہ بھی بیس تیس سال سے زیادہ نہیں ہے وہ نادر اور اچھوتا بھی نہیں ہے۔

لیکن ایک بڑے معاشرے کو بدلنے اور نئے سانچے میں ڈھالنے کا نصب العین بے حد عظیم، پیچیدہ اور کٹھن ہے۔ اس کا زمانی فاصلہ بھی لامحدود ہے۔ اس کی راہ میں رکاوٹیں بھی ایک دو نہیں بے شمار حائل ہیں۔ یہ اس اعتبار سے نادر اور اچھوتا بھی ہے کہ مادہ پرست ذہن و تہذیب کے زبردست تسلط نے اقدار و افکار کے تمام خانے باطل و فاسد نظریات سے بھر دیئے ہیں اور روحانی و آسمانی اقدار و اصول کیلئے تل دھرنے کی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے۔

بتائیے کیا ایسے دشوار، بعید، کٹھن اور نادر نصب العین کیلئے بھی یکایک ایسی جست ممکن ہے جیسے سر کی آنکھوں سے دیکھ کر آپ یا کوئی بھی ظاہر بین پکار اٹھے کہ ہاں یہ لگائی ہے چھلانگ نصب العین کی طرف۔ چھلانگ تو درکنار ایسے دور افتادہ اور بلند تر نصب العین کے لئے تو ایک سست رفتار قدم بھی ایسا اٹھانا بحالاتِ موجودہ دشوار ہی ہے جسے فقط سر کی آنکھیں استعمال کرنے والے نصب العین کی طرف سفر کا نام دے سکیں۔ یہ روٹی پکانے کا کام نہیں ہے کہ جب آپ آٹا گوندھتے دیکھیں تو پکار اٹھیں کہ ہاں اب روٹی پکے گی۔ یہ بڑا باریک اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ اسے چشمِ بصیرت پر معنویت کی عینک لگا کر دیکھئے جب تو اندازہ ہو سکے گا کہ منزل کی سمت سفر کا آغاز ہوا ہے یا نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی زبان اور قلم سے جو کچھ کر رہی ہے وہ اس کے نصب العین سے غیر مربوط نہیں بلکہ دونوں کے مابین ایک معنوی اور منطقی ربط پایا جاتا ہے۔ اگر آپ یا کوئی بھی صاحب یہ گمان کرتے ہیں کہ جماعت کے موجودہ مشاغل، مساعی اور طریق کار کا اصل مقصد سے جوڑ نہیں ہے تو اسے صاف واضح ہونا چاہئے کہ مقصد سے جوڑ رکھنے والے کام کونسے ہیں اور حصولِ مقصد کے لئے کیا کچھ کرنا چاہئے۔ فقط اعتراض "تخریب" کے مرادف ہے۔ تخریب کے ساتھ نئی تعمیر کا نقشہ بھی بتائیے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ جماعت کے کام میں کوئی خامی نہیں۔ جماعت آدمی مخلوق کا ایک گروہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔ اس کے افراد سے فکری و عملی ہر طرح کے قصور سرزد ہوتے ہوں گے۔ آگے آگے بھی ضرور ہوں گے۔

بہت ممکن ہے وہ بعض موٹی موٹی غلطیاں بھی کر رہی ہو، لیکن مجمل بلکہ بعض حالتوں میں مہمل اعتراضات سے کیا حاصل؟

(۳) رہا یہ سوال کہ جب اصل مقصد اور نصب العین سے انکار و انحراف کرنے والے معدودے چند ہی ہیں تو جماعت کیوں بنائی گئی؟

تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ یوں پوچھیں کہ جب ملک کے تحفظ اور اسے حملہ آوروں کی دستبرد سے بچانے کے مقصد و نصب العین پر ملک کا بچہ بچہ متفق الرائے ہے تو آخر فوج کس لئے بنائی جاتی ہے۔ بے شمار دولت فوجی تنظیموں پر کیوں خرچ کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کامل امن کے زمانے میں بھی محکمۂ فوج جوں کا توں قائم رہتا ہے اور کبھی کسی حکمراں نے اپنی فوج سے یہ نہیں کہا کہ جاؤ اب سب کے سب گھروں پر بیٹھ کر آرام سے سوؤ، کیونکہ سارا ملک حفاظتِ وطن کے مقصد پر متفق ہو چکا ہے۔

محترم بھائی۔ دنیا کے سارے ہی کام نظم و انتظام اور تال میل سے چلتے ہیں۔ یہ کہہ دینا تو آسان ہے کہ معدودے چند کے علاوہ مقصد سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اس مقصد کے لئے جدوجہد اور تیاری نظم و ضبط ہی کے ساتھ ممکن ہے، کیا آپ نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا کا ہر کام ہر شعبۂ زندگی میں نظم و انضباط ہی کے ساتھ چل رہا ہے۔ نظم و ارتباط ہی کا دوسرا نام جماعت ہے اور کائنات کا حقیقی شاہد ہے کہ نظم سے بڑھ کر فطری شئے کوئی نہیں۔ سورج، چاند، زمین، ان میں کتنا فاصلہ ہے لیکن فاطرِ کائنات نے ان سب کو ایک اجتماعی رشتے اور ایک ہمہ گیر نظم میں جوڑ دیا ہے۔ کیسا نادان کتنا بھولا ہے وہ شخص جو یوں پوچھے کہ کسی بڑے کام کی انجام دہی کے لئے جماعت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

اور کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ کسی مقصد سے محض اتفاق کر لینے

حصول مقصد میں کچھ بھی معاون نہیں ہوتا جب تک عملی جدوجہد کی جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نماز روزے کی فرضیت پر تو سبھی مومنوں کا اتفاق ہے لیکن عمل پیرا کتنے ہیں؟ جماعت اسلامی کے مقصد اور نصب العین سے اگر معدودے چند کے سوا کسی کو اختلاف نہیں تو اس سے حاصل کیا ہوگا جب تک کہ اتفاق رکھنے والے افراد مل جل کر عملی جدوجہد نہ کریں اور کسی عملی تعبیر پر متفق نہ ہوں۔ "جماعت" اسی کا نام تو ہے کہ کسی مقصد کے لئے کچھ لوگ مجتمع ہوں اور کچھ قواعد و ضوابط ایسے بنالیں جو متحدہ مساعی کیلئے مفید و معاون ثابت ہوسکیں۔

(۴) حضرت عمرؓ کا قول آپ نے ذرا سے نقص کے ساتھ نقل کیا۔ بجماعۃ نہیں بلکہ بالجماعۃ ہے اور یہ الف لام کا التزام معمولی نہیں بلکہ اسی میں یہ تنبیہ پوشیدہ ہے کہ جس "جماعت" کو حضرت عمرؓ اسلام کے لئے ناگزیر قرار دے رہے ہیں وہ بھیڑ اور انبوہ سے عبارت نہیں ہے بلکہ ایک منظم، باقاعدہ اور بااصول گروہ سے عبارت ہے۔

مولانا مودودی نے درست کہا کہ اس الجماعۃ سے مراد کوئی معین پارٹی نہیں بلکہ روح اجتماعیت مراد ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ روح کے لئے جسم چاہئے۔ جسم ہی نہ ہوگا تو روح کارفرمائی کہاں کرے گی۔ اس کا ظہور کہاں ہوگا۔ مولانا مودودی ہوں یا کوئی بھی داعی و مصلح۔ جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم ربانی کی تعمیل میں اپنے ماحول، حالات اور مقتضیات کی مناسبت سے جدوجہد کا آغاز کرتا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ کچھ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ لے جو متعلقہ کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاسکیں پھر جدوجہد کے نتیجے میں جتنے بھی افراد اس کی دعوت پر لبیک کہنے والے ملتے رہتے ہیں وہ انھیں ساتھ لے کر کام کو آگے بڑھاتا جاتا ہے۔ اسی مشترکہ اقدام و عمل کے عاملین کا نام "جماعت" ہے۔ کوشش اور خواہش تو داعی و قائد کی یہی ہوتی ہے اور یہی ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی اسکے ساتھ آجائیں اور اسلامی روح اجتماعیت کی کارکردگی کیلئے نہایت وسیع اور شاندار جسم ظہور میں آئے لیکن نتائج اپنے قبضے میں نہیں ہوا کرتے۔ دعوت پر لبیک کہنے والے جتنے بھی افراد مل سکیں وہی "جماعت" ہیں اور اس جماعت کا ایک نام رکھ دینا بھی ایسا ہی بےضرر اور قدرتی فعل ہے جیسے ہم ہر پیدا ہونے والے بچے کا ایک نام رکھ دیتے ہیں۔ نام سے مقصود تعارف ہوتا ہے۔ ایک بچے کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کا یہ منشاء نہیں ہوتا کہ نام رکھنے والے کے نزدیک بس یہی بچہ اللہ کا بندہ ہے اور باقی ساری دنیا بتوں کی بندی ہے۔ اسی طرح ایک داعی و مصلح اپنی جماعت کا جو نام رکھتا ہے اس کا یہ منشاء نہیں ہوتا کہ اس نام کے مفہوم کا اطلاق بس اسی کی جماعت پر ہوگا اور اس جماعت سے باہر کے لوگ اس مفہوم کے دائرے سے خارج ہوں گے۔

اجتماعی اور اہم کاموں کے لئے کچھ لوگوں کا چند اصول و قواعد پر اتفاق کرکے جماعتی شکل اختیار کرنا عقلاً، فطرتاً اور نقلاً ہر لحاظ سے معقول بات ہے جس پر اعتراض کرنا قلت تدبر کی علامت ہے اور جماعت کے لئے کسی امیر کا انتخاب بھی ہر اعتبار سے ضروری ہی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ جو دو آدمی بھی سفر کو نکلیں تو ان میں سے ایک امیر قرار دے لیا جائے۔ جب سادہ سے جسمانی سفر کا یہ حکم ہے تو دشوار و پیچیدہ معنوی سفر کے لئے تو یقیناً یہ حکم زیادہ شدومد سے جاری ہوگا۔

الحاصل اسلام کی روح اجتماعیت کو جاری و ساری کرنے کے لئے ایسی جماعت بنانا جو مقتضیات وقت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے آسمانی حکم کی بہتر سے بہتر طور پر تعمیل کرسکے، عقل و نقل کا ایک کھلا تقاضا ہے اور مولانا مودودی نے بھی "جماعت اسلامی" کے نام سے ایک جماعت اسی لئے بنائی تھی۔ آج ان کی جماعت پاکستانی ہوچکی، لیکن اسی نام کی ایک جماعت اپنے ملک میں بھی موجود ہے۔ ان دونوں جماعتوں میں اگرچہ ضابطے کا کوئی رشتہ نہیں لیکن اعلائے کلمۃ الحق، اصلاح معاشرہ اور

اقامتِ دین کے مقاصدِ عظیمہ کے اعتبار سے ان میں ایک ایسا معنوی و فکری ربط یقیناً موجود ہے جیسا کہ آج سے تیرہ سو برس قبل کے ایک مرحوم مسلمان اور آج کے ایک زندہ مسلمان میں۔

(۴) پارٹی میں شرکت سے اسلام میں کیا زیادتی ہوتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی پارٹی میں شرکت علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ شریک ہونے والا ایک طرف اس نصب العین سے اتفاق رکھتا ہے جس کے لئے یہ پارٹی بنی ہے دوسری طرف وہ اس طریقِ کار سے بھی متفق ہے جو اس پارٹی نے اپنے نصب العین کے لئے تجویز کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شرکت مظہر ہوتی ہے اس اندرونی احساس کی کہ ہمیں مشترکہ مقاصد کے لئے مل جل کر کام کرنا چاہئے۔ اسی احساس کا نام ہے احساسِ اجتماعیت۔ آدمی اگر صرف اُن چیزوں تک اپنی دلچسپی کو محدود رکھے جن کا تعلق اس کے ذاتی و انفرادی سود و زیاں اور ذاتی رنج و راحت سے ہے اور ایسی چیزوں میں کوئی دلچسپی نہ لے جو اُس جیسے اور بہت سے انسانوں سے متعلق ہیں تو سمجھا جائے گا کہ اس کے اندر واجبی احساسِ اجتماعیت موجود نہیں ہے۔ وہ خود غرض، خود بیں اور مفاد پرست ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جو اسلامی اسپرٹ کی نفی کرتی ہے اور اسی پر تنبیہ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ لا اسلام الا بالجماعۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں صرف ایک پارٹی تھی ــــ حزب اللہ۔ یہ نام قرآن کا دیا ہوا ہے۔ اس پارٹی میں جو شریک ہوا مسلمان کہلایا اور جو باہر رہا حزب الشیطان کا فرد شمار ہوا۔ آپ دیکھئے حزب اللہ کا ایک ایک فرد کس درجہ روحِ اجتماعیت سے سرشار تھا۔ میرِ کارواں کے حکم ہی پر نہیں فقط اشاروں پر ہر رکنِ جماعت سراپا نیاز، مجسم تعمیل اور تصویرِ انقیاد تھا۔ انھیں کوئی چیز مشترکہ مقاصد اور متفق علیہ نصب العین سے زیادہ عزیز نہیں تھی۔ ایک کا کانٹا چبھتا تھا تو دوسرے سب تڑپ اٹھتے تھے۔

آج مسلمانوں میں متعدد پارٹیاں ہیں۔ لہٰذا یہ صورت تو باقی نہیں رہی کہ فلاں پارٹی میں شامل نہ ہوئے تو حزب الشیطان کا فرد بن گئے ہاں یہ ضرور ہے کہ احیائے دین، اصلاحِ معاشرہ اور انہدامِ باطل کی خاطر کام کرنے والی مختلف پارٹیوں میں سے کسی میں شریک ہو جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس شخص کے اندر احساسِ اجتماعیت مرا نہیں۔

مثلاً یوں سمجھئے کہ ایمان ایک غیر مرئی کیفیت کا نام ہے جو دل و دماغ کے نہاں خانوں میں چھپی رہتی ہے۔ اب ہم اور آپ جو نماز روزہ کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی چیز بجائے خود ایمان نہیں بلکہ ایمان کا مظہر اور علامت ہے۔ انھی مظاہر و علائم کا نام اسلام رکھا گیا ہے۔ کوئی شخص اعمالِ شرعیہ سے واسطہ نہیں رکھے گا تو آپ کے لئے یہ فیصلہ دینا مشکل ہوگا کہ اس کے دل و دماغ میں دولتِ ایمان ہے یا نہیں اور ہے تو کس مقدار اور کیفیت میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح اُن لوگوں کے بارے میں جو مشترکہ مقاصد کے لئے کسی جماعت میں شرکت نہیں کرتے اور خود اپنے طور پر بھی کوئی اجتماعی نوعیت کا کام انجام نہیں دیتے یہ فیصلہ دینا مشکل ہے کہ ان کے اندر اجتماعیت کا احساس زندہ ہے یا نہیں اور ہے تو کس مقدار اور کیفیت میں۔

گویا جماعت میں شرکت کسی اندرونی کیفیت میں اضافے یا کمی کا موجب نہیں ہوتی بلکہ اس کیفیت کا مظہر، علامت، ثبوت ہوتی ہے۔ البتہ جس طرح اعمالِ صالحہ ایمان کی کیفیت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح کسی جماعت میں شریک ہو کر مشترکہ جد و جہد کرنے کا عمل، احساسِ اجتماعیت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ آپ کی الجھنیں رفع ہو جائیں۔ پھر بھی اگر ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تو سلسلۂ بحث دراز کرنے کی ضرورت نہیں۔ کافی ہوگا کہ ہم اور آپ ایک دوسرے کے لئے دعا کریں۔ آپ یہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عامر عثمانی کو زیادہ بہتر اور مؤثر طریق پر بات کرنے کا سلیقہ عطا فرمائے اور ہم یہ دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ذہنی ژولیدگی کو انضباط و اصابت میں تبدیل فرما دے۔

آمین

ثم آمین

طویلے کی بلا بندر کے سر

سوال ع: — از محمد علی - سہسرام - ضلع شاہ آباد۔

ایک صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند عالم فاضل، قابل بہت ہوتے ہیں میں اسے مانتا ہوں کہ ان کی تحقیق بہت گہری ہوتی ہے لیکن علم کی زیادتی نے انہیں گمراہ کر دیا اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا البشری نظریہ سے ہم بھی اتنی ہی عبادت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ و مرتبہ پا سکتے ہیں اور نبی ہو سکتے ہیں تو مجھے یہ دریافت کرنا ہے کہ علمائے دیوبند میں وہ کون عالم ہیں اور کس کتاب میں مع صفحہ اس قسم کا نظریہ ظاہر کیا ہے اور ان کے اس وقت کتنے پیرو ہم خیال ہیں۔ ان عالم کا نام ان کے ہم خیالوں کا نام کتاب وغیرہ کے حوالے سے دیں۔

الجواب ع: —

دیوبند کے کسی عالم نے تو کبھی ایسی مجنونانہ بات کہی نہیں البتہ جن لوگوں کو اللہ نے عقل رسا نہیں دی ہے یا ان کی عقل کے زاویوں کو تعصبات نے کج کر دیا ہے وہ ضرور علمائے دیوبند کی کتابوں سے ایسے واہی تباہی مطالب و معانی اخذ کرنے کا مواد اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ اس سلسلے میں کم معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ بات آپ کو ضرور معلوم ہوتی کہ ایک بہت بڑے دیوبندی عالم کی ایک عبارت سے یہ گمراہ کن مفہوم بریلوی دوستوں نے اخذ کیا ہے اور دنیا بھر میں اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ دیوبندیوں کی طرف سے بارہا تحریراً اور تقریراً توضیح کیا گیا کہ یہ مفہوم اس عبارت کا ہے ہی نہیں ورنہ دیوبندی علماء پاگل نہیں ہو گئے ہیں کہ ایسی واہی بات کہیں جس کا سر پیر ہی نہ ہو مگر بریلوی دوستوں کی عادت ہے کہ وہ جواب نہیں سنا کرتے صرف اعتراض، پروپیگنڈہ، الزام تراشی کیا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جو کچھ آپ کو بتایا گیا وہ سراسر غلط ہے اور کسی دیوبندی عالم کی تحریر سے اس کا یہ گمراہ کن عقیدہ اخذ کر لینا اخذ کرنے والے کے دماغی بحران اور کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ ہماری صداقت کا بہترین ثبوت یہ ہوگا کہ آپ اس عقیدہ و خیال کے بارے میں دار الافتاء دار العلوم دیوبند سے سوال کریں کہ جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہو اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ جواب سے آپ کو خود معلوم ہو جائے گا علمائے دیوبند اس عقیدے کی تردید و تغلیط میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

یہ تو جواب ہوا۔ اب ایک نصیحت سن لیجئے۔ ہر سنی سنائی بات کو دہرا دینا بھی جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ بھی سنے اسے بلا تکلف بیان کر دے۔ آپ نے جب علمائے دیوبند کے بارے میں ایسے لغو عقیدے کی سماعت فرمائی تھی جو ہر عالم و جاہل مسلمان کے نزدیک صریحاً لغو ہے تو آپ کو چاہئے تھا اس کان سن کر اس کان اڑا دیں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تھے تو پھر کہنے والے سے ثبوت مانگا ہوتا۔ یہ کیا کہ شوشہ تو چھوڑا کسی اور نے اور آپ سوال کرنے بیٹھ گئے ہم سے۔ آئندہ اس طرح کے معاملات میں احتیاط، تدبر اور معاملہ فہمی سے کام لیں۔

تحقیق مزید

"خلافت معاویہؓ و یزید" کے مصنف کا نقش ثانی۔ واقعات کربلا کی تہہ تک پہنچنے کے لئے چند مخصوص فکری زاویئے۔ عام ڈگر سے ہٹ کر سوچنے کا ایک رخ۔ کتاب میں تجلی کی بحثیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ آٹھ روپے -/8

مولانا مودودی اور تصوف — تصوف کے باب میں مولانا مودودی کا موقف کیا ہے؟ وہ کس تصوف کے مخالف اور کس کے مؤید ہیں؟ اس کا جواب کتاب عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔ 1/50

مکتبہ تجلی - دیوبند (یوپی)

چین اور روس کی زندہ تصویریں

کمیونزم کی پہلی کتاب — جس میں کمیونزم سے متعلق سیکڑوں سوالات کے مکمل و مفید جوابات درج ہیں ۔ قیمت ایک روپیہ ۔ 1/-

ظلمتِ نیم روز — مصنف :۔ آرتھر کوئسلر
مترجم :۔ گوپال متّل
سابق کمیونسٹ دانشور آرتھر کوئسلر کا بلند پایہ نظریاتی ناول جس کا ترجمہ اردو کے صاحبِ طرز ادیب جناب گوپال متّل نے کیا ہے ۔ ایک ایسے ملک کی کہانی جو آدرش وادی انقلابیوں کے ہاتھ میں پڑ کر جنت بنتے بنتے جہنم بن گیا ۔ ضخامت ۲۹۲ صفحات ۔ قیمت سوا روپیہ 1/25

عثمان بطور — چین میں مسلمانوں پر کیا گذری ؟ ایک کہانی ایک تاریخ ۔ سوا روپیہ 1/25

اور یانگسی بہتا رہا — ناول کے پیرائے میں چین کی ایک عبرت انگیز داستان ۔ ایک روپیہ 1/-

کمیونزم اور کسان — کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نظر سے سمجھنے سمجھانے کی کامیاب کوشش جو بیشمار دستاویزی حوالوں سے مزیّن ہے ۔ قیمت ڈھائی روپے 2/50

عالمی سیاست میں جمہوریت — مصنف :۔ لیسٹر بی پیرسن ۔
کینیڈا کے سابق وزیر خارجہ اور اتحادی سبھا کے سابق صدر مسٹر لیسٹر بی پیرسن کے چھ عالمانہ مقالوں کا مجموعہ ۔ بین الاقوامی سیاست میں جمہوریت کے کردار اور جمہوری اصولوں کی کارفرمائی کے امکانات کا سیر حاصل تجزیہ موجودہ بین الاقوامی سیاست کے پُر پیچ رجحانات کو سمجھنے کیلئے اس مختصر سی کتاب کا مطالعہ از حد مفید ہے ۔ ضخامت ۱۱۵ صفحات ۔ قیمت صرف آٹھ آنے ۔

آزادی کی طرف — ایک روسی افسر کی آپ بیتی جو بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں ہوا ۔ نہایت دلچسپ اور عبرت ناک ۔ تین روپے 3/-

آزادی کی نئی وسعتیں — مصنف :۔ اردن ڈی کینہم ۔
آزادی کے تصور میں جو نئی رنگ آمیزیاں ہوتی ہیں ان کی معلومات افروز کہانی کرسچین سائنس مانیٹر کے ایڈیٹر اردن ڈی کینہم کی زبانی ۔ جمہوری سماج کے جدید تر رجحانات کا ولولہ انگیز تجزیہ ۔ ضخامت ۱۱۲ صفحات ۔ صرف آٹھ آنے

ادب میں ترقی پسندی — کمیونزم ادب و صحافت کی آڑ میں کیا کھیل کھیلتا ہے ۔ ایک روپیہ

پتھر کے دیوتا — چھ آپ بیتیاں ۔ جاذبِ توجہ حیرت ناک قیمت ایک روپیہ 1/-

اُنیس سو چوراسی — مصنف :۔ جارج آرول ۔
مترجم :۔ سید سہیل واسطی ۔
مشہور ہندوستانی نژاد مغربی مصنف جارج آرویل کا وہ شہرۂ آفاق ناول جس نے یورپ میں تہلکہ ڈال دیا تھا ۔ اردو کا خوبصورت ایڈیشن آرٹ پیپر کی آٹھ تصویروں سے مزیّن ضخامت ۲۳۲ صفحات قیمت ڈھائی روپے

چین کے مسلمان — کروڑوں مسلمان کیا ہوئے ؟ انھیں زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا ؟ کمیونزم کی آدم خوری کا دستاویزی تذکرہ ۔ صرف پچیس پیسے ۔

سوویٹ نظام کی چھ کنجیاں — جیتے جاگتے عقلی و نقلی دلائل پر مشتمل ایک سنجیدہ اور معیاری کتاب جو دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی ۔ صفحات ۲۴ قیمت صرف ایک روپیہ 1/-

آزادی کا ادب — بعض منتخب مقالوں، افسانوں اور منظومات کا مجموعہ جنھیں نیک تعمیری مقاصد کے تحت چھاپا گیا ہے ۔ قیمت مجلد تین روپے 3/-

لینن — انقلابِ روس کے بانی لینن کی مستند سوانح بے لاگ اور غیر جانبدارانہ ۔ ایک روپیہ

سوویت روس کی حقیقت — دو حصّے ۔ دو روپے

مکتبہ تجلّی ۔ دیوبند (یو۔پی)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی چند معرکۃ الآرا مطبوعات

عربی، اُردو، انگریزی اور ہندی جو ہر لحاظ سے معیاری

═══ اور مفید ہیں ═══

تاریخ دعوت و عزیمت ● تین جلدوں میں (از مولانا ابوالحسن علی ندوی) ... غیر مجلّد ۱۷/۵۰

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ● مکمل (〃 〃) ... مجلّد ۵/-

ہندوستانی مسلمان ● .... (〃 〃 〃) .... 〃 ۳/۵۰

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ ● .... (〃 〃 〃) غیر مجلّد .... -/۳۷

مسلمان اور ہندوستانی یونیورسٹی اُردو ● .... (〃 〃 〃) 〃 .... -/۱۰

نشان راہ ● .... (〃 〃 〃) 〃 .... -/۳۷

مقالات سیرت ● .... 〃 (ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی) ۴/۵۰

طوفان سے ساحل تک اُردو ● .... 〃 (محمد اسد۔ سابق نام لیوپولڈ ویس) مجلّد ۵/-

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ● .... (مولانا ابوالحسن علی ندوی) .... غیر مجلّد .... -/۷۵

اسلامک فیتھ اینڈ پریکٹس (انگریزی) ● (از مولانا منظور نعمانی) .... مجلّد ۴/-

اسلام اینڈ دی ورلڈ (انگریزی) ● (از مولانا ابوالحسن علی ندوی) .... 〃 ۴/-

مسلمس اِن انڈیا ● (〃 〃 〃 〃) .... 〃 ۶/-

نیو مینس اینڈ اولڈ نسویرز ● (〃 〃 〃 〃) .... غیر مجلّد .... -/۵۰

موقف العالم الاسلامی تجاه الحضارة الغربیہ (عربی) ● .... (از مولانا ابوالحسن علی ندوی) ۲/۵۰

القادیانی والقادیانیہ ● عربی ایڈیشن .... (〃 〃 〃) ۴/-

ردة ولا ابا بکر لہا ● 〃 .... (〃 〃 〃) .... -/۳۷

ملۃ ابراہیم وحضارۃ الاسلام ● 〃 .... (〃 〃 〃) .... -/۵۰

الدعوة الاسلامیہ فی الہند وتطوراتہا ● (عربی ایڈیشن) .... (〃 〃 〃) .... -/۵۰

اسمعوہا فی صریحۃ الیہا العرب ● (〃) .... (〃 〃 〃) .... -/۳۷

الی قمة القیادة العالمیة ● .... (〃) .... (〃 〃 〃) .... -/۳۷

موقف المسلم ازاء اسلافہ والجاہلین ● (〃) .... (〃 〃 〃) .... -/۲۵

ثورة فی التفکیر ● .... (〃) .... (〃 〃 〃) .... -/۳۷

ملنے کا پتہ:- **مکتبہ تجلّی - دیوبند** یوپی

جناب شمس نوید عثمانی

ہزار عنوان بدل بدل کر فسانۂ عشق کہہ چکا ہوں
مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ بھی کہا نہیں ہے

کیا ہم مسلمان ہیں؟

کتنی خوفناک تھی وہ رات! ــــ

قتل و خونریزی کی انتہائی دردناک اور انتہائی منظّم سازش کفر و شرک کی سیاہ کمین گاہ - دار الندوہ سے چلی اور جلوہ گاہِ رسالت کی دیواروں کو چھونے لگی - زہرناک تلواریں میانوں سے باہر نکلی جاتی تھیں - نفرت و انتقام کا ناپاک خون آگ بھری آنکھوں سے باہر ٹپکا پڑتا تھا - پتھروں کے پجاری آج رات تہیّہ کر کے آئے تھے کہ سچائی اور امانت کے مجسّمے کو آج نیست و نابود ہی کر کے دم لیں گے

اب کیا ہو سکتا تھا؟

رسول کے لئے زندہ سلامت نکل جانے کے تمام دروازے ایک ایک کر کے بند کر دیئے گئے تھے - چاروں طرف سے مکان انتہائی سفّاک قاتلوں کے نرغے میں تھا جہاں موت اپنے لہو آشام جبڑے کھولے زندگی کا راستہ روکے کھڑی تھی - کفر نے اپنی دانست میں آج کائنات کے سب سے زیادہ روشن اور مقدّس چراغ کو گل کر دینے کا پورا اہتمام کر لیا تھا -

لیکن کہاں! وہ بے خبر اور نادان دشمن یہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ ابھی ایک سب سے بڑا دروازہ کھلا ہوا ہے - زندگی کے ایوان کا وہ صدر دروازہ جس کی محرابوں پر آدمؑ سے لے کر محمدؐ تک بے شمار پیغمبروں کی پیشانیوں کا نور اور جگمگاتی ہوئی روحوں کی تابشیں کبھی نہ دھندلے پڑنے والے نقوش کی شکل میں کندہ تھیں - وہ دروازہ جس کی اینٹ اینٹ پر یہ ازلی و ابدی کہانی نقش تھی -

"موت اور زندگی کا واحد مالک صرف ایک ہے - صرف ایک ہی جس نے نوحؑ کی کشتی طوفان سے نکالی، جس نے یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں بچی مرنے نہیں دیا - جس نے موسیٰؑ کے لئے دریا کا سینہ شق کر دیا اور جس کے حیطۂ قدرت سے کائنات کا ایک ذرہ بھی باہر نہیں۔"

بے شک ننگی تلواریں، خون آشام تیوریاں اور [illegible] شرر بار آنکھوں کے لئے لرزہ خیز ہو سکتی ہیں مگر اس دل کے لئے ان کی کوئی حقیقت نہیں جس کی [illegible] میں یہ عقیدہ جڑیں پھیلا چکا ہو کہ نفع و نقصان کا فیصلہ [illegible] صرف اور صرف ایک ہستی کے ہاتھ میں ہے اور وہی خدا ہے ــــ ہاں وہی میرا اکیلا خدا ہے -

خدا کی قسم! یہی تھا ایمان بالغیب کا وہ فولادی [illegible] جس کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا پر مکمل [illegible] کی معصوم شان سے کھولا اور خدا کا حکم پاتے ہی بے خوف و خطر تلواروں کی دھار پر دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے باہر تشریف لے آئے - یہ عقیدہ اگر معاذ اللہ کوئی بے بنیاد عقیدہ ہوتا تو سنگین حقائق سے ٹکرا کر پاش پاش ہو [illegible] ہوتا یہ عقیدہ ایک حقیقت تھا جس کے آگے ساری دنیا ایک خواب پریشان سے زیادہ کچھ نہ تھی - سچائی پوری قوت سے سامنے آئی تو جھوٹ اور ظلم کی ساری طاقتیں تہ و بالا ہو کر رہ گئیں - جو لوگ باہر جلادوں کی طرح بکھرے ہوئے کھڑے تھے وہ زندہ لاشوں اور بے [illegible] بے حرکت تجربے کی [illegible]

کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ جنھیں خدا نظر نہ آتا تھا خدا کا رسولؐ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے ان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اکڑے ہوئے سر بے جان لاشوں کی طرح کاندھوں پر ڈھلک گئے۔ آنکھیں خوفناک اونگھ میں پتھرا کر رہ گئیں۔ تلوار کو اٹھانے والے بازو شل ہو گئے۔ کیسی بے بس تھی وہ طاقت جس کے ساتھ خدا نہ تھا! خدا کا رسولؐ کفر کی اس بیچارگی پر زیر لب مسکراتا ہوا اپنی راہ پر آگے بڑھ گیا۔

کتنی انقلابی اور کیسے درس عبرت و موعظت سے معمور تھی وہ ہولناک رات! ـــ یہی تھی وہ رات جس کی متاع معرفت کا سب سے بڑا حصہ ابو قحافہ کا بیٹا لے گیا۔ وہ بیٹا جس کا نام لینے سے پہلے ملائکہ وضو کرتے ہیں۔ وہ بیٹا جو کئی مہینوں سے اس ساعت سعید کا منتظر تھا جب وہ اپنے گھر بار، اپنے رشتہ و پیوند اور اپنی پوری دنیا کو پیچھے چھوڑ کر اپنے محبوب، "آقا" اپنے سردار محمدؐ ابن عبد اللہ کے ساتھ خانہ ویرانی اور ترک وطن کی سنگلاخ راہوں میں چرکے اور زخم کھاتا چلا جائے۔ وہ بیٹا جس کا سارا وجود محبت اور طاعت کے سانچے میں ڈھل کر ایک سجدۂ مجسم بن گیا تھا ـــ جانتے ہیں آپ کون تھا وہ؟ ـــ ابوبکرؓ ـــ ایکبار پھر کہہ دیجئے۔ کون تھا وہ؟ ـــ ابو قحافہ کا بیٹا ابوبکرؓ! ـــ وہ پیکر صدق و تصدیق جس پر صداقت اور طمانیت، سکینت اور ایقان قیامت تک ناز کرتے رہیں گے۔ محمدؐ کے بعد سب سے بڑا انسان۔ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔

لیکن ابھی چند لمحے صبر کیجئے۔ ابھی تو پُر خطرات کے دامن میں وہ انسان کاملؐ اکیلا ہی چلا جا رہا ہے جسے معلوم ہے کہ میں اکیلا ہو کر بھی اکیلا نہیں ہوں خدائے کائنات میرے ساتھ ساتھ ہے۔ اس کے چہرے پر اس وقت بھی خوف کی کوئی سلوٹ نہ تھی جب زمین اس کے قدموں کے لئے موت کے خطروں سے ہٹ کر تلوار کی دھار بن گئی تھی۔ خون کی گردش نہ تیز ہوئی تھی نہ شست پڑی تھی۔ جسم میں کوئی جھرجھری تک نہ آئی تھی۔ ایمان و یقین کے لاتناہی انوار اس سیاہ رات میں بھی اس کے اس چہرے سے چھوٹے پڑ رہے تھے جس کو دیکھ کر پہلی نظر میں بڑے بڑے کج کلاہ رعب و داب سے تھر تھرا بغیر نہیں رہتے تھے مگر دوسری نظر میں جس کا جان نواز تبسم ایک بھکاری کو بھی اس طرح مانوس کر لیتا تھا جیسے وہ اپنے بہترین دوست کی پناہ میں آ گیا ہو۔

قدم قدم پر اجڑے ہوئے مکانات احتجاج اور صدمے کی خاموش کراہ بن کر اس کی صداقت کے قدم چوم رہے تھے۔ مکینوں نے آخرت کے زبردست یقین پر یہ رنگینیوں سے بھرپور دنیا تج ڈالی تھی جو انسانی بستیوں سے گھائل ہو کے اس لئے نکالے گئے تھے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی پرستش کیوں کرنا چاہتے ہیں ـــ پتھروں کو پوج پوج کر انسانوں پر ظلم کیوں نہیں ڈھاتے؟ بچوں کو زندہ کیوں نہیں گاڑتے اور غلاموں کو اپنے جیسا انسان کیوں سمجھتے ہیں؟ یہی تھے وہ لوگ جنھوں نے دوسروں کو لوٹنے کے مقابلے میں خدا کے نام پر خود لٹ جانا پسند کیا۔ یہی تھے وہ لوگ ایمان جن کا نفس ناطقہ بن گیا تھا جو لذیذ دسترخوان اور سرد و شیریں پانی کی جوئے رواں کے عین کنارے بھوک اور پیاس سے جان دے سکتے تھے، مگر اپنے شگفتہ ایمان میں ایک بال بھی گوارا کرنے کو تیار نہ تھے۔

ان دردناک مکانوں کے چاروں طرف دور دور تک وہ گھر پھیلتے چلے گئے تھے جہاں خدا کی زمین پر بسنے والے اپنے خدا کو بھول بیٹھے تھے۔ جن کو زندگی کے جال میں پھنس کر خود اپنی موت بھی یاد نہ رہی تھی، یہ تھے وہ مکانات جو مظلوموں کے اجڑے ہوئے گھروں سے بھی زیادہ دردناک تھے۔ یہاں مکان آباد تھے لیکن مکینوں کے سینے اجاڑ پڑے تھے۔ یہاں سے اگر زندگی کی کوئی آواز آ رہی تھی تو وہ غفلت میں ڈوبے ہوئے خراٹوں کی آواز تھی یا پھر ان گنے چنے مظلوم مسلمانوں کی کراہیں جن کو ظلم و ستم کی آہنی زنجیروں میں جکڑ کر خدا کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے سے بھی معذور کر دیا گیا تھا۔

انسانیت کے ان خوفناک ویرانوں سے گذرتے ہوئے حضورؐ کے مقدس چہرے پر گہرے درد کی کسک ہویدا تھی۔ یہ دیکھ کر آپ کا دل خون ہو رہا تھا کہ مجھے خدا نے جن انسانوں کو جگانے کے لئے بھیجا تھا ان کے گھروں سے

روح و دل کی کیسی تاریکی اُبل رہی ہے۔ جیسے آپ کو یہ خیال تک نہ تھا کہ اس وقت خون خواروں کی ٹولی خود میرے تعاقب میں ہے۔ جیسے آپ کو صرف یہ رنج کہ مجھ پر ظلم ڈھانے والے خود اپنی جان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

یکایک آپ کے اداس چہرے پر روحانی خوشی کا نور پھیل گیا۔ موت اور خودکشی کی اس تاریک دنیا میں دُور سے زندگی کی آواز بھی آ رہی تھی۔ ان ویران کھنڈروں میں سامنے ہی ایک ایسا مکان بھی تھا جس کے در و بام پر ایک تابندہ روح کے روشن سائے خنک چاندنی کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔

جہاں خدا کے ایک بندے کو نیندوں کے نرم و گرم بستر سے کہیں زیادہ پیاری وہ جائے نماز تھی جس پر سجدہ میں گرتے ہی بندگی کی پرسوز پیشانی اللہ کے قدموں کو چھو لیتی ہے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا مکان تھا۔ بنی تیم کا وہ خوش نصیب نرالا سوداگر جس نے خدا کی رضا اور حقیقت خریدنے کے لئے اپنا سب کچھ قیمت میں پیش کر دیا تھا۔ یہی تھا وہ مکان جس کی سمت میں آخری رسولؐ کے قدم اُٹھ رہے تھے۔ یہی تھا وہ بندۂ مومن جس کے نصیب میں رفاقتِ رسولؐ کے آخری اعزاز کا فیصلہ مشیت کا قلم ازل ہی میں لوحِ تقدیر پر ثبت کر چکا تھا۔ ایک بار پھر اس پیارے اور لذیذ نام کو دہرا لیجئے — ابو قحافہ کا بیٹا ابوبکرؓ ثانی اثنین۔

"نہیں! — مجھے تمھاری پناہ نہیں چاہیئے۔ میرے لئے خدا اور رسولؐ کی پناہ کافی ہے۔"

یہ فولادی عزیمت اور بے انداز یقین کے سانچے میں ڈھلے ہوئے واضح الفاظ ابوبکرؓ کے لبوں پر اس وقت اُبھرے جب قارہ کا سردار ذوالقرا ابن الدغنہ یہ صبر آزما دھمکی دے رہا تھا کہ تم زمین والوں کو خفا کر کے آسمان والے کو خوش کرنا چاہوگے تو میں اپنی امان تمہارے سر پر سے اُٹھا لوں گا۔ اس کے جواب میں پیکرِ صادق کے جو الفاظ زمین و آسمان کے درمیان گونجے تھے وہ کوئی کھوکھلا جذباتی نعرہ نہیں تھے۔ غیرتِ بندگی نے ان الفاظ میں پورا خونِ حیات نچوڑ کر رکھ دیا تھا اور دنیا کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ خوفِ خدا اور خوفِ دنیا آگ اور پانی کی طرح کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ حقیقت پسندی کا یہ لرزہ خیز اعلان الفاظ کے اندر نہ سما سکا تو ٹھوس تاریخی واقعات کے سیلِ رواں میں ڈھل گیا۔ یہ اُسی انقلاب انگیز رات کی بات ہے جب رسالت کا "سراج منیر" کفر و شرک اور خوف و خطر کی گھٹاؤں کو چیرتا ہوا نکل رہا تھا۔

جب آنحضرتؐ نے اس خطرناک رات کو حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا کر یہ انکشاف کیا تھا کہ "آج رات میں خدا کے حکم سے مکہ سے جدا ہو رہا ہوں" تو آنکھیں صاف دیکھ رہی تھیں کہ حضورؐ کے تعاقب میں کفر و شرک کی کیسی کیسی بلائیں چلی آ رہی ہیں۔ لیکن ایک پل فکرِ دنیا پر ضائع کئے بغیر حضرت ابوبکرؓ نے گڑگڑا کر التجا پیش کی تھی "اے خدا کے رسولؐ! — مجھے بھی ہم رکابی کی سعادت عطا ہو" — وہ اس راہِ پُرخار پر جد کرتے ہوئے چلے جو ان کو ساری خدائی سے دُور خدا کی طرف لئے جا رہی تھی آخرت کا گھر بسانے کے لئے وہ گھر بار چھوڑ رہے تھے۔ خدا کے رسولؐ کے مقابلے میں بیوی بچوں کو خیرباد کہہ رہے تھے۔ ایمان کے لئے دولتِ دنیا لٹا رہے تھے۔ ساری دنیا سے دامن جھٹک کر اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے وہ اس شخصؐ کے پیچھے ہو لئے تھے جو پوری قوت سے یقین دلا رہا تھا کہ "اے خدا کے بندو! میرے پیچھے آؤ گے تو خدا سے جا ملو گے۔"

غارِ ثور کے دہانے پر وہ دونوں اپنے اپنے اونٹوں سے اُترے۔ غار اپنی ہولناکیوں کے ساتھ منہ کھولے ہوئے تھا۔ لیکن وہ دونوں اس غار میں داخل ہونے والے تھے جن کو خوب یقین تھا کہ ہمارا خدا ہر جگہ ہے اور جہاں خدا ہے وہاں کوئی خوف نہیں۔ خدا اور خدا کے رسولؐ پر جان نثار کرنے والا بیتابانہ آگے بڑھا اور

...تنہا غار میں کود پڑا - اندر سے بیتابانہ آواز آرہی تھی "میرے ماں باپ آپ پر صدقے! - ذرا ٹھہریے! - میں اس غار کو درست کردوں!" فرطِ شوق میں اس نے جیب و گریباں کی دھجیاں کرلیں - ان دھجیوں سے غار کے ایک ایک سوراخ کو بند کیا اور جب خوب مطمئن ہوگیا کہ حضورؐ کی جانِ گرامی کو اب کسی اندرونی گزند کا اندیشہ نہیں تو محض خدا کے در کا بھکاری جسم پر دھجیاں لگائے ہوئے دیدہ و دل میں خدا کی اس انمول امانت کو سمائے غار میں داخل ہوا-

ذرا ٹھہریے — کیا ہم جیب و داماں کی ان دھجیوں کی قیمت کا کوئی اندازہ لگا سکتے ہیں جو عقیدت اور جاں نثاری کے پیکر نے غار کے سوراخوں میں اس لئے بھر دی تھیں کہ کوئی موذی جانور اس کے جان سے زیادہ عزیز آقا کو ایذا نہ پہنچا سکے — قیمت! العظمۃ للہ، سورج کی ساری کرنیں مل کر بھی تو فقط ایک دھاگے کا مول نہیں بن سکیں گی- آسمانوں کے تمام ستارے، ساری کہکشائیں، نور و ضیا کے سارے خزانے ایک پلڑے میں رکھ دو اور پھر غارِ ثور والے ابوبکرؓ کے دامن کی ایک دھجی دوسرے پلڑے میں رکھو- تم دیکھو گے دوسرا ہی پلڑا جھکا ہوا ہے-

تو یہی تھا وہ شخص جس کے بیوی بچے ایک خوفناک آتشِ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھرے ہوئے دور مکے میں پڑے تھے، نہ صرف بیوی بچے بلکہ اس کی عمر بھر کی پونجی جو اسی مکے کے اندر ڈھیر تھی، لیکن یہی تھا وہ شخص جس کے دل میں ٹھیک اس وقت بھی خدا اور خدا کے رسولؐ کے سوا کسی کے لئے کوئی جگہ نہ تھی جب دنیا بھر کی قیمتی چیزیں اس کے دل کا دروازہ پیٹ رہی تھیں- جس کے زانو کو محبوبِ خدا کا تکیہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی - اللہ اللہ - وہ خدا کی سب سے قیمتی امانت جو آج ساری دنیا سے چھین لی گئی تھی وہی ابوبکرؓ کے دامن میں ڈال دی گئی - حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ ان کے زانو پر حضورؐ کی شکل میں خدا کی قدرت بے حجاب ہوگئی ہے - بے اختیار ان کی روح پکاری "ہاں میں نے گواہی دی تھی کہ اے محمدؐ! آپ یقیناً خدا کے آخری رسول ہیں — اور اے غارِ ثور کی دیوارو! سن لو کہ ایک بار پھر یہی گواہی دینے کے لئے میرا دل تڑپ کر میرے ہونٹوں پر آگیا ہے — ہاں خدا کی قسم! میرے لئے خدا اور رسول کی پناہ کافی ہے-"

شہادتِ حق کی ادھر یہ پکار اٹھی اور ادھر خدا کی اٹل سنت کے مطابق ایک زبردست قربانی نے منہ کھولا — غار کی پچھلی دیواروں میں جو ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا اسی کے اندر سے ایک سیاہ ناگ کا پھن نمودار ہوا، لیکن جان لیوا خطر کی صورت دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کا جذبۂ ایثار بھی اور جاگ اٹھا - وہ جسم و جاں جو تھکن سے چور اعصاب کے ساتھ رسولِ خدا کو راحت پہنچا کر خوشی اور کیف سے سر دھن رہے تھے جسم و جاں کی قربانی کے لئے بے قرار ہوگئے - یہ بات ان کیلئے موت سے زیادہ شاق تھی کہ رسولِ خدا کی راحت میں خلل پڑ جائے - اس لئے ذرا سی حرکت کئے بغیر انھوں نے اپنے پاؤں سے اس خوفناک بل کا منہ بند کردیا جس سے ناگ سر نکال رہا تھا - آزمائش کی ایمان افروزیاں تیز سے تیز تر ہوئیں - ناگ نے زہر چکاں دانت حضرت ابوبکرؓ کے تلوے میں گاڑ دیئے اور سارے خون کو زہر کی کربناک لہروں میں بدل دیا - لیکن محبت اور فرض کے محاذ پر جو قدم پہاڑ کی طرح جم گیا تھا وہ ٹس سے مس کیسے ہوتا - زہر کی آتشیں لہریں پورے جسم کو کانٹوں اور شعلوں پر گھسیٹ رہی تھیں لیکن ایمان کے تقاضے پھولوں کی سیج بن کر رہ گئے تھے - غیرتِ ایمانی سے ہونٹ سل گئے تھے ایک سسکی بھی تو نہ نکلی - ایک جھرجھری بھی تو نہ آئی صرف ایک آنسو ٹپکا — ہائے وہ قیمتی آنسو جس کی تقدیر میں یہ اعزاز لکھا تھا کہ وہ خدا کے رسولؐ کے مقدس رخسار کو چومے - اس پر پھیل جائے - سارے سمندر مل کر بھی زور لگائیں تو ایسا بیش بہا موتی کبھی پیدا نہ کرسکیں گے -

اس اشکِ بے اختیار کے جواب میں رحمتِ خداوندی کو جوش آگیا - حضورؐ تیزی سے چونک کر اٹھے اور ابوبکرؓ کی اشک آلود آنکھوں سے وہ آنکھیں چار ہوئیں جن میں انسانیت کی حلاوت اور خدا کی رحمت ستارہ بن کر جگمگا یا

کرتی تھی۔

"کیا بات ہے ۔۔۔ اے ابوبکرؓ؟" انسانیت کے درد سے انتہائی بے قرار آواز حضورؐ کے ہونٹوں پر طلوع ہوئی تو ایک ساعت کے لئے ابوبکرؓ یہ بھی بھول گئے کہ وہ کس کریب دو چار ہیں۔

"کچھ نہیں اے خدا کے رسولؐ" عقیدت و شوق سے لبریز اور درد سے کانپتی ہوئی آواز میں حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "میرے پاؤں میں سانپ نے ڈس لیا ہے۔" ۔۔۔ آواز درد کے مارے کانپ رہی تھی لیکن اس میں شکایت نہیں تھی۔ مایوسی نہیں تھی ۔۔۔ حضورؐ نے فوراً اپنا لعاب مبارک اس جگہ لگا دیا جہاں سیاہ ناگ نے ڈس لیا تھا اور فوراً زہر کا اثر کافور ہو گیا۔ یہ اس ہستی کے لعاب دہن کا خداداد اعجاز تھا جس کے منھ سے وحی کے پھول جھڑتے اور پیغام خداوندی کے انوار ٹپکتے تھے۔

جسمانی آزمائش کے ایمان افروز خاتمہ پر ابھی حضرت ابوبکرؓ کی روح سجدۂ شکر ہی میں پڑی تھی کہ غار کے دہانے پر ایک اس سے بھی بڑی ایمانی آزمائش کی جھلک نظر آنے لگی۔ انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے جانی دشمن غار کے کنارے تک آپہنچے ہیں۔ سانپ کے پھن مارنے کے بعد بھی جو انسان اپنی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکا۔ ہاں وہ خدا کے رسولؐ کو خطرہ کی زد میں دیکھ کر اس بیچارگی کے احساس سے نیم جاں ہو گیا کہ اس خطرے کو میری جان کی قربانی بھی نہیں ٹال سکتی۔ انھوں نے انتہائی تشویش ناک نظریں حضورؐ کی طرف اٹھائیں اور غار کے دہانے پر نظر آنے والے قدموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی "اب ۔۔۔ کیا ۔۔ ہوگا ۔۔۔ اے خدا کے رسولؐ؟ یہ لوگ اگر ذرا جھک کر دیکھیں گے تو ہم صاف نظر آجائیں گے۔"

کتنی حسین تھی وہ "بے خوفی" جو خدا اور خدا کے رسولؐ کے قدموں پر جان و مال اور اہل و عیال کو قربان کر دینے کے جذبۂ بے اختیار نے اس انسان کے چہرے پر ایمان کا نور بنا کر پھیلا دی تھی ۔۔۔ اور کیا شاندار تھا وہ "خوف" جو خدا کے رسولؐ کی جان کو بے پناہ خطرے میں دیکھ کر اس کے خون کی گردش اور دل کی دھڑکنوں کو نڈھال کئے دے رہا تھا۔ لیکن ٹھیک اس وقت جب ابوبکرؓ جیسے بندۂ مومن کی نظر انسانی بیچارگی کی طرف گئی تھی خدا کا رسولؐ صرف خدا اور خدا کی نصرت کی طرف آنکھیں اٹھائے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے بھی اس خطرہ کو دیکھا اور ابوبکرؓ کے الفاظ سنے ۔۔۔ حضورؐ بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ جو خطرہ سر پر آگیا ہے وہ غار میں داخل ہو جائے تو اس بند غار میں نہ مقابلہ کا موقعہ ہے اور نہ فرار کی کوئی راہ۔ لیکن انھیں یقین تھا کہ ہم اس وقت بھی اس قادر مطلق کے سایۂ رحمت میں ہیں جس کی مٹھی میں ساری کائنات ایک ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔

"فکر مت کرو!" حضورؐ نے انتہائی سکون و استقلال کی شان سے تسلی دی "فکر مت کرو! خدا ہمارے ساتھ ہے۔" وہ ہونٹ جن کے لعاب سے سیاہ ناگ کا زہر ہلاہل پانی پانی ہو گیا تھا ان ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلے تھے یہ الفاظ ہر خوف و خطر کے احساس تک تریاق بنکر پہنچے اور فی الفور ابوبکرؓ نے محسوس کیا کہ غار کی بوسیدہ دیواریں آہن و فولاد کے قلعہ میں ڈھل گئیں جہاں کوئی بڑے سے بڑا خطرہ پر نہیں مار سکتا۔ ادھر ان کی روح سے وہی پکار اٹھی کہ "میرے لئے خدا اور خدا کے رسولؐ کی پناہ کافی ہے" اور ادھر انھوں نے دیکھا کہ غار کے کھلے ہوئے منھ تک آپہنچنے والے قدم پلٹے اور ان کی چاپ دشت و صحرا میں گرد کی طرح بکھر کر گم ہو گئی۔ وہ قدم جو پیغمبرؐ کی تلاش میں جنگل جنگل کی خاک چھان چکے تھے۔ جب خدا نے ان کو روکا تو "ایک نظر" کا فاصلہ طے نہ کر سکے!

ابوبکرؓ یہ دیکھ رہے تھے اور وجد کر رہے تھے اور وجد کر رہے تھے کہ حضورؐ کی پیغمبرانہ شخصیت اپنی مکمل ترین رعنائیوں کے ساتھ ان کی نظروں ۔۔۔ تنہا ان کی نظروں کے سامنے جلوہ افروز ہے ۔۔۔ وہ انسان کامل کو ان لامتناہی بلندیوں پر دیکھ رہے ہیں جہاں انسان اور خدا کے

درمیان سے زمین و آسمان کی ہر شے ہٹ گئی تھی اور پیغمبرؐ کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ اسباب و علل کے تمام پردے اُٹھا کر خدا کی زبردست قدرت اس غار میں بے حجاب ہو گئی ہے۔

تین دن تک سچ مچ خدا کے سائے میں بسر کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے نقوشِ پا چومتے ہوئے غارِ ثور سے باہر نکلے تو انھیں محسوس ہوا کہ یہ تنگ و تاریک غار نہیں بلکہ ایک ناپیدا کنار دنیا تھی جہاں قدم قدم پر خدا کی قدرت اور انسان کی بندگی کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی تھی۔ وہ غار میں ایمان بالغیب لے کر گئے تھے لیکن باہر آئے تو ایمان بالغیب صدیوں کا فاصلہ تین دن میں طے کر کے عین الیقین اور مشاہدے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جس انسانؐ کو انھوں نے روح و دل کی شہادت سے نبی مانا تھا اس غار میں ان کی آنکھیں اس نبوت کا سراپا دیکھ رہی تھیں۔ غار سے باہر انھوں نے جس خدا کا یقین کیا تھا غار میں وہ خدا خود اپنا یقین دلاتے ہوئے اپنی لامتناہی قدرت کے چہرے سے حجاب پر حجاب اٹھا رہا تھا۔ لیکن شاید اس عرفانِ حق کی تکمیل میں ابھی ایک آنچ کی کسر باقی تھی — ابھی ایک ایسا واقعہ بھی پیش آنا باقی تھا جہاں مجرم انسان کی طاقت اور خدائی طاقت کے درمیان غار کی دیواریں اور دنیا کی کوئی ظاہری رکاوٹ بھی حائل نہ ہو۔ پس منظر میں گرد و غبار کا بادل اٹھا اور ایک خطرناک تلوار کی بجلی چمک کر سر پر آ گئی۔ قریش کا ایک جنگ آزمودہ ہرکارہ سراقہ بن جعشم کے گھوڑے کی ٹاپوں سے زمین دہلنے لگی — یہی تھا وہ بے رحم دشمن جس کو سو اونٹوں کا حقیر انعام ایک پیغمبرؐ کا مقدس سر حاصل کرنے کی دھن سے پاگل کیے دے رہا تھا۔ خطرے کی زبردست بجلی سر پر ٹوٹ پڑنا چاہتی تھی اور پیغمبرؐ کی جانِ گرامی اس بے پناہ خطرے کی ٹھیک زد میں آ چکی۔ حبِ رسولؐ کے متوالے کو ایک بار پھر اس بیچارگی نے تڑپا دیا کہ پیغمبرؐ کی عظیم امانت کو بچانے کی کوشش میں بالکل بے بس ہوا جاتا تھا

ہوں۔

"اے خدا کے رسولؐ!" وہ جاں نثاری کی حسرت میں پکار اُٹھے "دشمن سر پر آ پہنچا ہے۔۔۔"

لیکن خدا کے رسولؐ کو خطرہ تو کیا خطرے کا احساس بھی گوارا نہ ہوا — سکونِ دل نے ایمان و یقین کے جلال کی شکل اختیار کر لی اور فرمایا "اے ابوبکرؓ! تو کیا سمجھ رہا ہے ان دو کو جن کا تیسرا اللہ ہے؟" — قدم قدم پر نبیؐ کی تصدیق کرنے والے نے اسی دم نبیؐ کے اس اشارے کی تصدیق کی اور کامل سکون و اطمینان کے عالم میں ان کی نظر انسانی ساز و سامان سے ہٹ کر خدا کی قدرت پر مرکوز ہو گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ ادھر خدا کے رسولؐ نے اپنے خدا کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور اُدھر زمین شق ہوئی اور سراقہ کے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں اس کے اندر دھنستے چلے گئے۔ منہ کے بل گرنے والا کافر اٹھا — اٹھ کر چلا اور پھر گرا — آسمان والے کا اشارہ پاتے ہی زمین نے اس "مجرم" کو آگے بڑھنے کے لئے راہ دینے سے انکار کر دیا تھا جو بہت جلد "اعترافِ جرم" اور پھر اعترافِ حق تک پہنچنے والا تھا۔ بار بار منہ کے بل گرنے والا سراقہ اٹھا اور ہاتھ جوڑ کر جان کی امان مانگی۔ جو شخص ظاہری طاقت کے بل پر جان لینے کے لئے آیا تھا وہ خدا کی طاقت سے سہما ہوا خدا کے رسولؐ سے زندگی کی بھیک دامن میں لئے واپس جا رہا تھا۔ دل سے خدا کو قادرِ مطلق ماننے والے بندۂ مومن نے آنکھوں سے دیکھا کہ خدا قادرِ مطلق ہے جس کے ایک اشارے پر سب کچھ ہو سکتا ہے وہ سب کچھ جس کا تصور بھی آدمی پہلے سے نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد یہ قافلہ سوئے یثرب روانہ ہوا۔

"ہائے یہ قافلہ!" حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ سوچ رہا تھا جس کو حضرت ابوبکرؓ نے راہ دکھانے کے لئے اپنے اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا تھا "ہائے یہ نرالا قافلہ جس میں دو انسان اور ایک خدا ہے! — دنیا پوری قوت کے ساتھ اس قافلہ کا پیچھا کر رہی ہے لیکن اس کے نزدیک پہنچ کر بھی اس کو چھو نہیں پاتی!"

اور یہ قافلۂ خدا کی قدرت و رحمت کی سیکڑوں نشانیوں سے گزرتا ہوا — نفرت و انتقام کی شیطانی طاقتوں سے بچتا ہوا ۱۲ ربیع الاوّل سلہ نبوی میں یثرب سے کچھ فاصلے پر قبا کے امن میں پہنچا تو حق و صداقت کے پروانے شمع رسالتؐ پر نثار ہونے لگے۔ یہ تھے وہ لوگ جو خدا اور اس کے رسولؐ کے قدموں پر جانیں نثار کرنے کی پُرسوز تمنا پر سر دھن رہے تھے۔ جنھوں نے خدا کے لئے ساری دنیا سے جنگ مول لی تھی۔ اپنی ساری دنیا داؤ پر لگادی تھی۔ لیکن ان پروانوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ سپردگی و ایثار کی تپش سے سلگتا ہوا پروانہ وہی شخص تھا جو ہجرت کی پُرخطر گھاٹیوں میں رسالتؐ کے قدموں کو خونِ دل و جگر سے نکھارتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اور جسکی زندگی کا ایک ایک سانس رسولِ خداؐ کی حفاظت میں سینہ سپر ہونے پر صَرف ہوتا آیا تھا وہ یہاں بھی چادر تھامے ہوئے حضور پر سایہ کئے ہوئے ساری دنیا سے منھ پھیر کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین چہرے کو والہانہ سپردگی کے ناقابل بیان عالم میں تک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ تنہا اس "ایک چہرے" کو دیکھ دیکھ کر جی سکتا ہے — جیسے اس چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ساری دنیا سے بے نیاز ہوجاتا ہے — جیسے اسے خود اپنے وجود کی طرف بھی ایک نظر اٹھانے کی فرصت نہیں رہتی۔

اور — آج جب وہ چہرہ نظروں سے اوجھل ہے ہماری نظریں ایک بار پھر دنیا اور متاعِ دنیا کی طرف جم کر رہ گئی ہیں — اسلام کو خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر ہم لوگ اپنے اپنے گھروں کی پناہ گاہوں میں چھپ کر جان بچانے کی کوششیں کر رہے ہیں ہمیں تمام مادّی وسائل سے اُمیدیں ہیں لیکن اُسی واحد ذات سے کوئی امید نہیں جو تمام امیدوں کا حقیقی ملجا و ماویٰ ہے کہنے کو دعائیں اسی سے کرتے ہیں لیکن عمل تمام تر ایسا ہی ہے جو اس کی رحمت و نصرت کو نہیں غیظ و غضب ہی کو آوازیں دیتا رہتا ہے۔ خدا کی پناہ! کہاں وہ اسلام جو گوشت پوست کے انسانوں کو ایک سجدۂ مسلسل میں ڈھال گیا تھا اور کہاں یہ ہمارا اسلام جو پیہم بغاوت اور نافرمانیوں کی ایک غیر مختتم کہانی ؟

آپ کا جانا پہچانا

سُرمہ دُرِّ نجف

آنکھیں دُکھنے میں دُرِّ نجف کا کردار!

بینائی کے تحفظ اور امراضِ چشم کے ازالے میں تو آپ دُرِّ نجف کی اطمینان بخش تاثیر دیکھ ہی رہے ہیں۔ ایک اور بات نوٹ کیجئے :- آنکھیں دُکھنے آنے والی ہوں یا آچکی ہوں سوتے وقت دو دو سلائی سرمہ ڈالئے پھر آنکھیں بند کرکے انگلی کے ذریعے اپنا ہی لعابِ دہن دونوں آنکھوں پر لگالیجئے۔ اس سے پپوٹوں پر نمی آجائے گی۔ اس کے بعد انگلی پر ذرا سا سرمہ لیکر پپوٹوں پر مل لیجئے اور سو جائیے۔ انشاء اللہ اگلے ہی روز حیرتناک فائدہ پائیں گے۔ اس لیپ کی نوبت شاید ہی دو تین راتوں سے زیادہ آئے۔

ایک تولہ پانچ روپے

چھ ماشے تین روپے

ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ

کوئی سی تین شیشی یکجا خریدنے پر محصول ڈاک معاف

طلب کرنے پر خالص چاندی کی سلائی بھی بھیجی جاتی ہے جسکی قیمت صرف ۲ روپے ہے

دار الفیض رحمانی دیوبند یوپی

فکر اور خوف کا
ہے
جس سے خون کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں
صافی
نظامِ ہضم کے عمل
کو درست کرتی ہے
خون کو صاف کرتی
ہے اور شفاف خون
پیدا کر کے چہرے پر
تازگی لاتی ہے۔
SAFI
ہمدرد
دہلی — کانپور — پٹنہ

نونہال
بچّہ کی مسرت انگیز برطوتری کا ضامن
اپنے بچّہ کو دانت نکلنے کی تکلیفوں سے
بچانے اور اس کی صحت مند نشو ونما میں
مدد دینے کے لیے نونہال گرائپ سیرپ
اور نونہال بے بی ٹانک پر بھروسہ کیجیے
Naunehal
BABY TONIC
Hamdard
Naunehal
GRIPE SYRUP
Hamdard
ہمدرد
دہلی، کانپور، پٹنہ

از:- مولانا امین احسن اصلاحی

اسلامی قومیت کے عوامل

حسب وعدہ مولانا امین احسن اصلاحی کا ۱۹۵۸ء والا مضمون پورا کا پورا ہدیۂ ناظرین ہے۔ تجلی کی تنگ دامانی گو کہ اتنی طویل نقل کی متحمل نہ تھی لیکن دو وجہ سے اس کو برداشت کیا جارہا ہے۔ ایک یوں کہ ہماری نگاہ میں یہ مضمون قومیت کے موضوع پر ایک مستقیم اور صائب نقطۂ نظر کا حامل ہے۔ میثاق کی اشاعت زیادہ نہیں ہے۔ تین سال پہلے تو وہ اور بھی کم ہوگی۔ لہٰذا تجلی میں نقل کا فائدہ یہ ہوگا کہ ایک اچھی چیز دور تک پہنچ جائے گی۔

دوسرے یوں کہ جمال عبدالناصر کے نعرۂ قومیت کو مولانا آج جو مقام عبادت عطا فرما رہے ہیں اس کی حیثیت و قیمت کا اندازہ خود انھی کی بھرپور تصریحات سے کرنے میں ناظرین کو ذرا بھی تشنگی باقی نہ رہ جائے۔ کہیں کہیں ہم نے بعض فقروں پر لائن کھینچ دی ہے۔ اس سے ان قارئین کی رہنمائی مقصود ہے جن کا ذہن طرار نہیں ہے۔ طرار ذہن والوں کیلئے تو مولانا کا پورا مضمون ہی منہ سے بول رہا ہے کہ آج کا نظریۂ قومیت ناگزیر مفاسد کا ایسا پلندہ ہے جسے چٹکی بجاتے [illegible] تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اس مضمون کو پڑھ لیجئے پھر ہم بتائیں گے کہ وہ نفسیاتی تبدیلی کیا ہے جس کے تحت مولانا اصلاحی آج ناصری نعرۂ قومیت کے لب و عارض پر سرخی اور غازہ لگانے کی زحمت فرما رہے ہیں۔

(عامر عثمانی)

علمائے سیاست، ریاست کا تدریجی ارتقاء اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خاندانوں کے اجتماع سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ اپنے ایک خاص دور میں قومیت کا روپ دھارن کرتا ہے اور جب قومیت اپنے سیاسی شعور کے لحاظ سے اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ اس کے تمام افراد ایک بالاتر اقتدار کی اطاعت کرنے لگتے ہیں تو ریاست وجود میں آجاتی ہے۔

اس نظریے کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ اگر کوئی شخص ریاست کے اوصاف اور اس کی خصوصیات سمجھنا چاہتا ہے تو اسے اس سے پہلے معاشرہ اور قومیت کی حقیقت اور ان کے اوصاف و خصوصیات پر غور کرنا اور ان کو سمجھنا ہوگا۔ اگر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے کہ قومیت کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اس کے مختلف اجزاء میں کن چیزوں سے اشتراک اور اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ کیا محرکات ہیں جو ان میں باہم ربط و اتصال کا جذبہ پیدا کرتے اور ایک دوسرے کے لئے قربانی اور ایثار پر ابھارتے ہیں تو اس سے خود ریاست کی حقیقت اور اس کے اجزائے ترکیبی میں اتصال و اشتراک کی نوعیت اچھی طرح سمجھ میں آسکے گی۔ قومیت اور ریاست میں وہی نسبت ہے جو نسبت بنیاد اور عمارت میں ہے۔ اگر بنیاد کا پورا نقشہ صحیح ہو تو اصل عمارت کی نوعیت سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہیں آنے کی بالخصوص عمارت کے استحکام اور اس کی مناسبت کے نقطۂ نظر سے اگر اس کا

جائزہ لینا ہو تو پھر تو دیکھنے اور سمجھنے کی اصل چیز بنیاد ہی ہے نہ کہ عمارت۔ اس وجہ سے پہلے ہم یہ بتائیں گے کہ قومیت کن عوامل کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہے، ضعف اور قوت کے لحاظ سے ان کے کیا درجے ہیں، ان عوامل سے متعلق جدید اور قدیم نظریات میں کیا اختلاف ہے۔ پھر اس امر پر غور کریں گے کہ ایک عام قومیت اور ایک اسلامی قومیت میں کیا فرق ہے اور ان دونوں سے پیدا ہونے والی ریاستوں کے مزاج اور ان کے اطوار پر اس فرق کے کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں؟

قومیت کے عوامل

قومیت چند چیزوں کے اشتراک سے وجود میں آتی ہے نسل، زبان، جغرافی یک جائی، روایات اور مذہب۔

انسانوں کے کسی گروہ میں اگر یہ چیزیں مشترک ہوں اور اس کے افراد میں ان کے اشتراک کا شعور بھی زندہ ہو تو قدرتی طور پر وہ ایک دوسرے کی ہمدردی و حمایت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو سمجھتے ہیں، رنج و راحت اور دکھ سکھ میں اپنے کو ایک دوسرے کا شریک خیال کرتے ہیں اور زندگی کے مسائل پر ایک ہی طرز پر سوچتے ہیں۔

نسل کا اشتراک حمایت و حمیت کا سب سے بڑا محرک ہے۔ زبان کا اشتراک ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں سب سے بڑا معاون ہے۔ جغرافی یک جائی دوسروں کے مقابل میں اپنے تحفظ اور مدافعت کا احساس پیدا کرنے کے لئے سب سے زیادہ مؤثر عامل ہے اور تہذیب و روایات کا اشتراک طرز فکر میں ہم آہنگی و ہم رنگی پیدا کرنے کیلئے سب سے زیادہ کارگر ہے۔

جہاں اشتراک کے یہ تمام عوامل موجود ہوں وہاں اتحاد و ارتباط کا جذبہ اور حمیت و حمایت کا ولولہ پایا جانا ایک بالکل فطری چیز ہے۔ یہ جذبہ ارتباط و اتحاد پیدا کرنے کے علاوہ دوسروں کے مقابل میں اپنے ایک علیحدہ تشخص کا احساس اور تفوق و بالاتری کا ایک شعور بھی اُبھارتا ہے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کے اندر اشتراک کے یہ سارے پہلو جمع ہو جاتے ہیں ان کے اندر نہایت تیز و تند خواہش اس بات کی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے سارے معاملات خود ان کے اپنے ہاتھ میں ہوں، اپنے تمام امور ہی کے مالک وہ خود ہوں کسی غیر کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ اُن کے معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکے۔

اس اشتراک کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ جہاں یہ پایا جائے وہاں سرے سے کوئی اختلاف یا تصادم واقع ہی نہ ہو شخصی اور خاندانی اغراض و مصالح میں برابر ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے لیکن ایک بالاتر اقتدار اس طرح کی ساری آویزشوں کو رفع کرتا رہتا ہے اور لوگ اس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرتے رہتے ہیں۔ سر تسلیم خم کرنا صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کرتا کہ ایک قاہر اقتدار کے آگے کسی کے لئے دم مارنے کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ اس میں بڑا دخل اس شعور کو بھی ہوتا ہے کہ قومیت کے بڑے فوائد سے متمتع ہوتے رہنے کے لئے ناگزیر ہے کہ قومیت کا ہر جزو کسر و انکسار کے اصول پر اپنے بعض چھوٹے فوائد کو قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ اگر ہر شخص اپنے چھوٹے مفادات کی قربانی پر راضی نہ ہوگا تو بالآخر اسے بڑے مفادات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ یہ شعور ایک خالص سیاسی شعور ہے اور درحقیقت یہی شعور ہے جو کسی قومیت کو ایک حقیقی وجود سیاسی کی حیثیت بخشتا ہے۔

قومیت کا نیا نظریہ

دنیا میں ابتداء سے مذکورہ عوامل ہی قومیت کے اصلی عوامل کی حیثیت سے مسلّم مانے گئے ہیں اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ یہ عوامل بالکل فطری اور قدرتی ہیں، لیکن سائنس کی ترقیوں نے ان عوامل میں سے اکثر کو شہر بدر کر کے اب ساری اہمیت صرف جغرافی حدود یا دوسرے الفاظ میں وطن کو دیدی ہے۔ وطن کو ایک اہم

عامل کی حیثیت تو ابتداء سے حاصل رہی ہے، لیکن اب تو اصلی عامل یہی ہے۔

اگر اس عامل کے ساتھ دوسرے عوامل بھی موجود ہوں تو بہتر لیکن اگر یہ موجود ہے اور دوسرے عوامل موجود نہیں ہیں تو اسی کو اصل قرار دے کر دوسرے عوامل اب اسی کے مصنوعی طور پر پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

وطن کے ایک فطری عامل قومیت ہونے سے تو جیسا کہ عرض کیا گیا انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن جس نوعیت سے اب اس کی اہمیت تسلیم کی جانے لگی ہے وہ فطرت کے تقاضوں سے زیادہ ضرورت کی ایجاد ہے۔ سائنس کی ترقیوں نے اب قوموں میں تحفظ اور مدافعت کے احساس کو دوسرے تمام احساسات پر غالب کر دیا ہے اس وجہ سے قومیں اب جغرافی حدود کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگی ہیں۔ اب نسل، زبان اور روایات کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی اہمیت دریاؤں، سمندروں پہاڑوں اور دوسرے قدرتی دفاعی حصارات کو دی جاتی ہے پہلے قومیتیں عموماً زمین کے اتنے ہی خطہ پر قناعت کرتی تھیں جتنے کو وہ اپنی نسل، اپنی تہذیب اور اپنی روایات کا گہوارہ سمجھتی تھیں، اس دائرے سے آگے بڑھنے کی خواہش صرف وہی قومیتیں کرتی تھیں جو غیر معمولی طور پر حوصلہ مند ہوتی تھیں اور جو دوسروں کو اپنا محکوم بنانے کا داعیہ رکھتی تھیں۔ لیکن اب ہر قومیت اپنے وطن کے حدود اقتصادی اور دفاعی نقطۂ نظر سے متعین کرتی ہے اور اس پورے دائرے پر وہ بہر حال قابض رہنا چاہتی ہے اگرچہ خود اس کا اپنا وجود اس کے وطن کی قبا سے چھوٹا ہو۔ وہ بجائے اس کے کہ اپنی قامت کے لحاظ سے اپنی قبا بنائے۔ کوشش یہ کرتی ہے کہ کھینچ تان کر کسی طرح اپنے وجود کو اس قبا کے مناسب بنالے۔ اپنے آپ کو مصنوعی طور پر ڈھالنے کا واحد طریقہ جو وہ اختیار کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے وطن کے جو حدود وہ قرار دے لیتی ہے اس کے اندر جو دوسری قومیتیں ہوتی ہیں ان کو اپنے اندر ضم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان قومیتوں کے اندر خود ان کی نسل خود ان کی زبان اور خود ان کے مذہب یا روایات کے لئے جو احساسات پائے جاتے ہیں ان کو وہ دباتی ہے اور وطنی قومیت کے نظریہ کے تحت خود اپنی زبان اپنے مذہب، اپنی روایات اور اپنے اشخاص و رجال کے عزت و احترام کو ان کے ذہنوں پر مسلط کرتی ہے تاکہ وہ ظاہر و باطن دونوں میں غالب قومیت کے ہم رنگ ہو جائیں۔

مذکورہ عوامل کے نقائص

مذکورہ عوامل کے معروف عوامل قومیت ہونے سے تو جیسا کہ عرض کیا گیا انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن مجرد ان عوامل سے جو قومیت وجود میں آتی ہے اس کے مزاج میں چند خرابیاں لازماً موجود ہوتی ہیں۔

پہلی خرابی تو اس کے اندر یہ ہوتی ہے کہ اس طرح کی قومیت نہایت تنگ نظر ہوتی ہے۔ ہر معاملہ میں اس کے زاویہ نگاہ پر نسل اور قومی رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس کی ساری توجہ کا مرکز پوری نسل انسانی میں سے صرف ایک محدود حصہ ہوتا ہے اور اسی کو وہ پوری انسانیت سمجھتی ہے اس کے لئے یہ بالکل ناممکن ہوتا ہے کہ وہ کبھی تمام انسانوں کے معاملہ پر اس نقطۂ نگاہ سے غور کر سکے کہ یہ سب ایک ہی آدم و حوا کی اولاد، ایک ہی جسم کے اعضاء و جوارح، ایک ہی خاندان کے افراد اور ایک ہی برادری کے اجزاء و ارکان ہیں۔ ایک قلیل حصے کے سوا ساری دنیا کے ساتھ اس کے تعلقات ہمدردانہ و مشفقانہ ہونے کے بجائے یا تو رقیبانہ و حاسدانہ ہوتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ مصلحت پرستانہ۔ یہ حقیقت کے اعتبار سے اپنے سوا سب کی بدخواہ اور دشمن ہوتی ہے اور یہ بدخواہی و دشمنی اس کے دائرے میں عیب کے بجائے ہنر سمجھی جاتی ہے اور اس کو قوم پرستی کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری خرابی اس کے اندر یہ ہوتی ہے کہ ان عوامل سے بنی ہوئی قومیتیں بالتدریج خود حق اور باطل کیلئے معیار

کا درجہ حاصل کر چکی ہو۔ ان کے اندر عصبیت کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ ان کے مخصوص تقاضوں کی تحریک سے بالآخر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ "میری قوم، خواہ حق پر ہو یا باطل پر" اس حد تک پہنچ جانے کے بعد یہ قومیت ہی حق و باطل کی کسوٹی بن جاتی ہے جو چیز اس کے حق میں جاتی ہے وہ تو حق بن جاتی ہے اور جو اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے وہ باطل بن جاتی ہے۔ بڑے سے بڑا جھوٹ، بڑے سے بڑا ظلم اور بڑے سے بڑا فساد نیکی اور انصاف بن جاتا ہے اگر یہ کسوٹی اس کو نیکی اور انصاف قرار دیتی ہے اور واضح سے واضح سچائی اور قطعی سے قطعی انصاف کی بات بھی غداری اور بغاوت ٹھیرا دی جاتی ہے اگر یہ کسوٹی اس کو غداری اور بغاوت ٹھیرا دے۔ اس طرح کی قومیت کے دائرے کے اندر اس کا کوئی امکان نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اس کسوٹی سے بالاتر کسی اور معیار حق و باطل کو سامنے رکھ کر کوئی بات کہہ سکے یا کوئی کام کر سکے۔ اگر وہ ایسی جرأت کرے تو عجب نہیں کہ اس کو پھانسی کی سزا ملے اگرچہ وہ سقراط ہی کے درجہ کا آدمی کیوں نہ ہو۔

اس میں تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ از خود پھیلنے اور دوسروں کو قائل کر کے ان کو جیت لینے کی فطری صلاحیت سے بالکل محروم ہوتی ہے۔ اس کے لئے دو ہی صورتیں ممکن ہوتی ہیں۔ یا تو وہ اپنے خول کے اندر سمٹی سمٹائی پڑی رہے یا پھر جارحانہ عزم اور فاتحانہ حوصلے کے ساتھ اٹھے اور جن پر اس کا زور چلے ان کو زیر نگیں کر لے۔ ان دو صورتوں کے سوا اس کے لئے کوئی تیسری راہ نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے یہ یا تو دوسروں سے مار کھاتی ہے اگر اس کا مزاج منفعل اور شرمیلا ہوتا ہے یا دوسروں سے لڑتی بھڑتی رہتی ہے اگر اس کا مزاج جارحانہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس دلوں کو جیتنے اور عقلوں کو قائل کرنے کے لئے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی کہ جو لوگ اس کے دائرے سے باہر ہیں وہ اس کی منطق اور حجت سے مفتوح ہو سکیں۔ یہ طاقت صرف نظریات اور اصولوں میں ہوتی ہے کہ اگر وہ عقل و فطرت پر مبنی ہوں، تو وہ دلوں کو مسخر کر لیتے ہیں اور لوگ ان کے قائل ہو کر خود ان کے علم بردار اور ان کے پیش کرنے والوں کے ساتھی بن جاتے ہیں لیکن نسل اور نسب پر مبنی ہوئی قومیت کے اندر آخر دوسری نسل والوں کیلئے کوئی کشش ہو سکتی ہے؟ دوسروں کے اندر اس کے لئے اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو تعصب کے جواب میں تعصب، احساس برتری کے جواب میں احساس برتری اور نفرت کے مقابل میں نفرت ہی ہو سکتی ہے۔ اصول اگر عقل و فطرت پر مبنی ہوں تو ساری دنیا پر چھا سکتے ہیں اور تمام نسل انسانی، رنگ، وطن اور زبان و تہذیب کے سارے اختلافات کے علی الرغم ان کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیتی ہے لیکن کسی خاص نسل کے دعوے داروں کے آگے از خود لوگ کیوں سپر انداز ہو جائیں؟ اپنے اس نقص کے سبب سے کسی نسلی قومیت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی جہانی ریاست کی بنیاد رکھ سکے۔ اس طرح کی کسی قومیت نے اگر اپنی بلند حوصلگی کے سبب سے کبھی دنیا پر چھانے کی کوشش کی بھی ہے تو وہ آندھی اور طوفان کی طرح چھائی ہے اور طوفان ہی کی طرح غائب بھی ہو گئی ہے۔ سکندر، نپولین، چنگیز اور تیمور کی فتوحات کی وسعت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ جتنی تیزی کے ساتھ یہ آگے بڑھتے ہیں اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ یہ پیچھے بھی لوٹے ہیں۔

اس کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ نسل کا اشتراک قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے کوئی بہت زیادہ قوی عامل نہیں ہے، یہ تعاون و ہمدردی اور حمیت و حمایت کا محرک اسی حد تک بنتا ہے جس حد تک کسی نسل کے افراد میں ہم نسلی کی یادداشت تازہ ہو۔ یہ یادداشت چند پشتوں تک تو بلاشبہ باقی رہتی ہے لیکن اس سے آگے جا کر یہ اتنی مضمحل اور بے جان ہو جاتی ہے کہ اس کی حیثیت ایک واہمہ اور خیال سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ اوّل تو کسی نسل کے متعلق یہ دعویٰ کرنا ہی مشکل ہے کہ وہ اختلاط سے محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ اگر کیا جا سکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ ان قبائلی نسلوں ہی کی نسبت کیا جا سکتا ہے جن میں نسل کے تحفظ کا اہتمام بھی ہے اور جو اپنے محدود سیاسی اغراض کے لئے اس نسلی رابطہ کے شعور کو اپنے افراد کے اندر تازہ رکھنے کی بھی کوشش کرتی ہیں۔ دوسروں کے اندر

اس کی حیثیت جیسا کہ عرض کیا گیا ایک واہمہ اور خیال سے زیادہ نہیں ہوتی اس وجہ سے قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے اس کو کچھ ایسی اہمیت نہیں دی جاسکتی اور اس کے بل پر کوئی بہت مضبوط اور وسیع قومیت قائم نہیں ہوسکتی۔

پانچویں خرابی اس کے اندر یہ ہے کہ ان عوامل سے جو قومیت وجود میں آتی ہے اس میں خاطر غالب چونکہ نسل کا شعور ہی ہوتا ہے زبان، تہذیب، روایات، ادب اور دوسرے عوامل سب پر اسی کا رنگ غالب ہوتا ہے اس وجہ سے مذہب بھی اگر ان کے ساتھ شامل ہوتا ہے تو وہ بھی انھی کا ایک تابع مہمل بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ بھی نسلی قومیت کی مذکورہ خرابیوں کی کوئی اصلاح کرنے کے بجائے ان میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا ہے۔ ہماری مراد یہاں صرف انھی مذاہب سے نہیں ہے جو مشرکانہ عقائد کے تحت انسانوں نے خود ایجاد کئے ہیں۔ یہ مذاہب تو ہوتے ہی قومی اور نسلی ہیں بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ ایک صحیح مذہب بھی نسلی عصبیت کے زیر سایہ ایک نسلی مذہب بن کے رہ جاتا ہے اور اپنی تمام عقلی اور فطری خوبیاں آہستہ آہستہ کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ واضح مثال یہود کا مذہب ہے۔ بنی اسرائیل نے چونکہ کبھی اپنی نسلی قومیت کے خول سے باہر جھانکنے کی کوشش نہیں کی اس وجہ سے انھوں نے اپنے مذہب کو بھی جو اصلاً ایک خدائی مذہب تھا تراش خراش کر اپنی قومیت ہی کے سانچے میں ڈھال لیا۔ توریت میں یہ جو بار بار آتا ہے کہ "خداوند خدا اسرائیل کا خدا" اور "اے اسرائیل تو خدا کا پہلوٹھا ہے" یہ سب اسی عصبیت نسلی کی پیدا کردہ تعبیریں ہیں۔ انھوں نے مذہب سے روشنی لینے اور اس روشنی سے اپنی نسلی عصبیت کی تنگ نظری دور کرنے کے بجائے اپنے مذہب کو بھی اپنی ہی طرح تنگ نظر اور متعصب بنا ڈالا اور یہ مذہب بجائے اس کے کہ ان خرابیوں کو دور کرنے میں کچھ معین ہوتا جو نسل و نسب سے بنی ہوئی قومیت کے اندر مضمر ہیں الٹا ان خرابیوں کو بھلائیاں ثابت کرنے میں ان کا ایک غیبی مددگار بن گیا۔

اس میں چھٹی خرابی یہ ہے کہ اس قومیت کے مطالبات اور فطرت سلیم اور عقل سلیم کے مقتضیات ایک خاص دائرہ ہی تک ہم آہنگ رہ سکتے ہیں۔ اس خاص دائرے سے آگے بڑھ کر عموماً ان کو ہم آہنگ رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس دائرے سے آگے قومیت کے تقاضے صریحاً انسانیت کے وسیع مفادات، اخلاق کے معروف مسلمات اور انصاف کے ہمہ گیر اصولوں سے متصادم ہوتے ہیں۔ قومیت کے علمبردار اس تصادم کو دور کرنے کے لئے قومیت کے نقائص کا اعتراف کرنے کے بجائے کوشش اس بات کی کرتے ہیں کہ قومیت ہی کی اساس پر انسانیت، اخلاق اور انصاف کا ایک بالکل ہی نرالا فلسفہ تیار کر دیں۔ یہ فلسفہ تیار تو ہو جاتا ہے۔ پڑھے لکھے ذہین لوگ اگر آمادہ ہو جائیں تو کیا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ فلسفہ سلیم الفطرت انسانوں کو کبھی اپیل نہیں کرتا۔ اس کے لئے مثال کے طور پر سولھویں صدی کے سیاسی فلسفی میکاؤلی کی تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس طرح کے فلسفے اہل سیاست کی امنگیں پوری کرنے کا وقتی طور پر ایک ذریعہ تو ضرور بن جاتے ہیں لیکن انسان چونکہ ایک نسلی حیوان ہی نہیں بلکہ اپنی ایک عقلی و اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے اور اس کا یہ پہلو اس کے تمام دوسرے پہلوؤں پر غالب ہے اس وجہ سے اندر سے طبیعتیں ان سے برابر ابا کرتی ہیں اور جس چیز پر کسی معاشرہ کے معقولیت پسند لوگ مطمئن نہیں اس کے پودے پن کو کتنے دنوں تک چھپایا جاسکتا ہے؟

وطنی قومیت کے مفاسد

وطنی قومیت کے اندر مذکورہ بالا مفاسد کے علاوہ کچھ مزید مفاسد بھی ہیں جن کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اصل بحث سے پہلے اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ وطن کا ایک عامل وطنیت ہونا ایک علیحدہ چیز ہے اور وطن کو اساس بنا کر مختلف قومیتوں سے ایک متحدہ قومیت کا کنبہ جوڑنا ایک علیحدہ شے ہے۔ جہاں تک پہلی چیز کا تعلق ہے وہ مقتضائے فطرت ہے جس طرح ہر شخص کو

اس کا گھر عزیز ہوتا ہے۔ اس کے کونے کونے اور گوشے گوشے سے اس کی روایات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ اس کی حفاظت اور اس کے اوپر اپنا حق قائم رکھنے کیلئے وہ بسا اوقات اپنا مال اور اپنی جان سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور ایسا کر گذرنا ہر حق پسند کے نزدیک ایک مستحسن اور غیرت مندانہ کام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر قومیت کو اس کا وطن عزیز و محبوب ہوتا ہے وہ اس کو اپنی جنم بھومی اور مادرِ وطن سمجھتی ہے اس کو اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کا گہوارہ خیال کرتی ہے۔ اس کے چپہ چپہ پر اس کے اسلاف کی عظمت اور اس کے آباؤ اجداد کے کارناموں کی تاریخ ثبت ہوتی ہے۔ اس کے دریا اور پہاڑ اور اس کے نشیب و فراز سب کی زبانوں پر اس کی روایتیں اور حکایتیں ہوتی ہیں۔ اس کے پہاڑوں میں اس کی زندگی کے سرچشمے اسکے کھیتوں اور باغوں میں اس کی معاش و معیشت کے ذخیرے اور اس کی وادیوں اور اس کے کہساروں میں اس کی خوشیاں اور اس کی بہاریں ہوتی ہیں اس وجہ سے ہر قوم اپنے وطن کو اپنی مشترک دولت سمجھتی ہے اور یہ اشتراک اس کے اندر ہم وطنی کا جذبہ پیدا کرتا ہے جو اس کو وطن سے مشترک استفادہ اور اس کی مشترک حفاظت و صیانت کے لئے برابر جوڑے رکھتا ہے۔ یہ چیز عین تقاضائے فطرت ہے نہ یہ عقل کے خلاف ہے اور نہ مذہب و اخلاق کے۔ لیکن دوسری چیز یعنی وطن کو اساس قرار دے کر مختلف قومیتوں کو ایک متحدہ قومیت میں جوڑ ڈالنا ایک بالکل مختلف چیز ہے جس کی خرابیاں بالکل واضح ہیں۔

وطن کی بنیاد پر مختلف قومیتوں سے ایک متحدہ قومیت جو بنتی ہے اس میں اصل مطمحِ نظر تو یہ ہوتا ہے کہ ایک وطن میں رہنے بسنے والی ایک سے زیادہ قومیتیں وطن کے سوا دوسرے عواملِ قومیت۔ نسل و زبان، کلچر و روایات اور مذاہب کو جو ان کے اندر اپنے الگ الگ تشخص اور اپنی مخصوص انفرادیت کا احساس پیدا کرتے ہیں ختم کر دیں اور ان کی جگہ ایک مخلوط نسل، ایک مشترک زبان، ایک مشترک ثقافت اور ایک مشترک مذہب پیدا کرنے کی کوشش کریں، لیکن یہ بات کہنے میں بھی بڑی بھونڈی معلوم ہوتی ہے اور عملاً بھی بہت بعید از قیاس نظر آتی ہے اس وجہ سے کبھی یوں جاتی ہے کہ مختلف قومیتیں الگ الگ تشخصات کو اگر محفوظ رکھنا چاہیں تو اپنے الگ دائروں کے اندر محفوظ رکھیں لیکن اجتماعی و سیاسی دائرے میں ایک ہی قوم کی حیثیت سے نمایاں ہوں اور اپنے انفرادیت پسندانہ رجحانات و عوامل کو اس میں مخل نہ ہونے دیں۔ اٹھارویں صدی سے پہلے پہلے تو عملاً یہی صورت تھی کہ غالب اور فتح مند قومیت مغلوب قومیت کے ان تمام تشخصات کو تقریباً ختم کر دیتی تھی جو اس کے انا کو زندہ رکھنے والے خیال کئے جاتے تھے، لیکن اٹھارویں صدی میں نپولین کی فتوحات اور اس کے بعد پہلی جنگ عظیم نے مختلف اسباب سے جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی، قومیتوں کے اندر اپنے امتیازی تشخصات کو زندہ اور باقی رکھنے کا احساس اتنا قوی کر دیا کہ غالب قومیتوں کے لئے ان سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب اگرچہ ایک نظریہ کی حیثیت سے یہ مسلّم ہے کہ ہر قومیت کو اپنی ہستی، اپنی زبان، اپنی تہذیب اور اپنے مذہب کو باقی رکھنے کا حق ہے اور یہ بات بظاہر نہایت اچھی بھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا سارا حسن صرف کاغذ کے صفحات ہی پر ہے، عمل میں آکر اس کی یہ ظاہری چمک دمک بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی تمام اندرونی خرابیاں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں۔ ہم یہاں اس کی بعض نمایاں خرابیوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس کی پہلی خرابی تو یہ ہے کہ یہ قومیت متضاد عناصر کا ایک مجموعہ ہوتی ہے۔ بظاہر تو یہ عناصر ایک ہی بندھن میں باندھ دیئے جاتے ہیں لیکن بباطن ان کی امنگیں اور ان کے حوصلے ایک دوسرے سے بالکل مختلف رہتے ہیں جہاں نسل، زبان، تہذیب، ادب اور مذہب کے اتنے

اختلافات موجود ہوں وہاں صرف ہم وطنی کا رشتہ ان کو باہم جوڑے رکھنے میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہوتا۔ ان کے درمیان اختلاف اور نزاع کے جو محرکات موجود ہوتے ہیں وہ برابر اپنا عمل کرتے رہتے ہیں اور کبھی ان کو ایک قوم کی طرح پوری یک جہتی کے ساتھ کسی قومی نصب العین کے لئے کام نہیں کرنے دیتے۔ یہ قومیت کامیاب صرف اسی صورت میں ہوتی جب تضاد کے یہ اسباب یا تو سطحی ہوں یا پوری طرح دبا دیئے گئے ہوں یا دوسرے عناصر کمیت وکیفیت کے اعتبار سے اتنے ناقابل لحاظ ہوں کہ غالب عصبیت کے مقابل میں وہ کان دبائے پڑے رہنے پر مجبور اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھتے ہوں۔

اس کی دوسری خرابی یہ ہے کہ اس قومیت کی تشکیل کرنے والے مختلف اجزا مجبور ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس جو قیمتی ورثہ خود ان کی قومی روایات، قومی ادب اور اپنے آبائی دین کا ہے اس کو تو اجتماعی وسیاسی زندگی سے خارج کرکے سڑنے اور گلنے کے لئے چھوڑ دیں اور اس کی جگہ پر ہر چیز ایک مصنوعی شکل میں قبول کرنے پر راضی ہوں۔ یہ قربانی صرف انھی عناصر کو نہیں کرنی پڑتی ہے جو عددی اعتبار سے اقلیت میں ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات اپنے دوسرے ساتھی یا ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لئے شریک غالب کو بھی یہ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ ادبی رجحانات بدلتے ہیں، زبان کا ڈھانچہ متغیر ہوتا ہے۔ روایات کا ایک نیا ملغوبہ تیار ہوتا ہے۔ رسوم میں بالکل بیگانہ آمیزشیں ہوتی ہیں۔ تاریخ ایک نیا قالب اختیار کرتی ہے۔ جو غدار سمجھے جاتے تھے وہ ہیرو بنتے ہیں جو ہیرو خیال کئے جاتے تھے۔ بسا اوقات ان کے نام کتابوں کے صفحات اور ذہنوں کی الواح سے کھرچ کھرچ کر نکالے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ مصیبت اس وطنی قومیت کے ہاتھوں مذہب پر آتی ہے۔ مذہب ایک قوی ترین عامل قومیت ہے اور سطحی مفادات کے آگے مشکل ہی سے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس وجہ سے قومیت کی تشکیل میں اس کو سب سے بڑا مانع قرار دے کر اس کا علاج یہ سوچا گیا ہے کہ اس کو اجتماعی وسیاسی زندگی سے بالکل ہی خارج کرکے مسجد یا مندر یا کلیسا کے اندر بند کر دیا جائے۔[۱] اس لادینیت کے بغیر وطنی قومیت کا ڈھانچہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔

اس میں تیسری خرابی یہ ہے کہ غالب قومیت کے اندر اگر نسلی اور مذہبی عصبیت پوری طرح جڑ پکڑے ہوئے ہوتی ہے تو وہ وطنی قومیت کا روپ دھارن کرکے بھی دوسرے شریکوں کے مقابل میں اجتماعی وسیاسی زندگی کے ہر گوشے میں اپنے مفاد اور اپنے رنگ کو غالب رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسرے اگر اپنے حقوق کا نام لیں، اپنی زبان کا ذکر کریں، اپنی تہذیب کا رونا روئیں، اپنے مذہب کا حوالہ دیں تو اس کو گروہی تعصب، انتشار پسندی اور ملک وطن کے ساتھ غداری پر محمول کیا جاتا ہے لیکن شریک غالب دھڑلے کے ساتھ ساری چیرہ دستیاں کرتا ہے لیکن مجال نہیں ہے کسی کی کہ اس کے خلاف زبان ہلا سکے۔ اس صورت حال کی بہترین مثال بھارت کی ہندو اکثریت کا طرز عمل ہے

اس کی چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض حالات میں شریک غالب بھی اس میں شدید نقصان اٹھاتا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب شریک غالب عددی اکثریت تو رکھتا ہو لیکن اس کے اندر وحدت اور تنظیم نہ ہو، معاشی اعتبار سے وہ بدحال اور سیاسی اعتبار سے وہ غیر منظم ہو۔ اس کے لیڈر سادہ لوح یا ابن الوقت ہوں۔ اس کے اندر محض مفاد اور اغراض کے لئے بہت سی پارٹیاں بن گئی ہوں جس سے اس کی سیاسی طاقت بالکل منتشر ہو گئی ہو اور یہ پارٹیاں محض وقتی مفاد اور حصول اقتدار کے لئے اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سودے بازیاں کر سکتی ہیں۔ ایسی صورت میں عددی اکثریت رکھنے کے باوجود وہ کسی حوصلہ مند اور منظم اقلیت کے ہاتھ میں ایک کھلونا بن کے رہ جاتی ہے۔ یہ اقلیت اپنی ہوشیاری اور سیاسی جوڑ توڑ سے اس کی پارٹیوں کو اپنا آلۂ کار بنا لیتی ہے اور

---

[۱] بجا فرمایا۔ ٹھیک یہی کام مصر میں کیا گیا ہے۔ تجلی۔

جو مقاصد وہ خود اپنے ہاتھوں پورے کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی وہ ان کے واسطے سے بڑی آسانی سے پورے کر لیتی ہے۔ اس میں بڑی سہولت اس کو اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اس کو انتخابات میں شریک غالب کے نمائندوں کے انتخابات پر بھی اثر انداز ہونے کا موقع مل جائے۔ اس کی نہایت واضح مثال مشرقی پاکستان نے پیش کی۔ یہاں مسلمان عددی اکثریت رکھنے کے باوجود اپنی مذکورہ بالا کمزوریوں کے سبب ہندوؤں کے لئے ایک چراگاہ بنتے جا رہے تھے اور اس علاقے میں مخلوط طریقۂ انتخاب رائج ہو جانے کے بعد اقلیت کی اکثریت پر اثر انداز ہونے کے مواقع اس قدر بڑھ گئے تھے کہ اکثریت نہ صرف تہذیب و تمدن اور مذہب کے اعتبار سے سخت نقصان اٹھا رہی تھی بلکہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ ملک کی سالمیت ہی خطرے میں پڑ جائے۔

اس کی پانچویں خرابی اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ قومیت خطرات اور مشکلات کے مقابل میں عموماً بہت بودی ثابت ہوتی ہے[1]۔ وطنی عصبیت کا جذبہ ابھارنے کے لئے اگر کوئی محرک سب سے زیادہ قوی ہو سکتا ہے وہ کسی مشترک مصیبت کا ظہور یا اس کے ظہور کا خطرہ ہی ہو سکتا ہے لیکن یہ مشترک مصیبت بھی ایک وطنی قومیت کے مختلف عناصر میں اتحاد کا عام ولولہ اور محبت وطن کا عام جوش صرف اسی صورت میں پیدا کرتی ہے جب قومیت کے تمام اجزا اپنے آپ کو وطن کے تمام ذہنی و مادی فوائد میں برابر کا شریک سمجھتے ہوں۔ اگر یہ صورت نہ ہو اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس صورت کا پیدا ہونا صرف خاص حالات ہی میں ممکن ہے، تو جو اجزائے قومیت اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہیں وہ اس مشترک مصیبت کو ایک مصیبت سمجھنے کے بجائے بعض حالات میں اس کو اپنے لئے رحمت سمجھتے ہیں اور اپنے مواقع پر ان کی ہمدردیاں اپنے وطنی ہم قوموں کے بجائے بیرونی حملہ آوروں ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ بیرونی حملہ آور اگر زیرک ہوں تو وہ کسی ملک کے اس اندرونی اضطراب سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کے موقع پر اتحادیوں نے جو یہ نعرہ لگایا تھا کہ یہ جنگ مظلوم و مقہور اقلیتوں کی آزادی کے لئے لڑی جا رہی ہے اس نعرہ سے انھوں نے اپنے حریفوں کے مقابل میں بڑا فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ اس سے فائدہ اٹھا چکنے کے بعد انھوں نے خود اس کی پوری بے حرمتی کی۔ اس پہلو سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وطن کی اساس پر بنی ہوئی قومیت اپنے اصلی مدعا کے اعتبار سے تو بودی اور نکمی ہوتی ہے۔ البتہ منافقت کا یا اسلامی اصطلاح میں منافقین کی پرورش کے لئے یہ بہترین پناہ گاہ فراہم کرتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر قومیت کے تمام عناصر کو بالکل مساوی درجہ میں آسودہ اور مطمئن کیا جا سکے تو اس خرابی کو دور کیا جا سکتا ہے لیکن خرابی خود وطنی قومیت کی تعمیر ہی میں مضمر ہے اس وجہ سے اس کو دور کرنا بہت مشکل ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے مذکورہ عوامل پر تنقید

اب آئیے اسلام کی روشنی میں مذکورہ عوامل پر غور کیجئے کہ وہ ان کو کس حد تک رد اور کس حد تک قبول کرتا ہے۔

اسلام ان تمام عوامل قومیت کو نہ تو یک قلم رد ہی کرتا ہے اور نہ ان کو پورا کا پورا قبول ہی کرتا ہے۔ عوامل میں سے جو عامل جس حد تک عقل اور فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہے اس کو اس نے نہ صرف اختیار کر لیا ہے بلکہ اس کو جزو دین بنا دیا ہے جس کو نہ صرف ماننا ضروری ہے بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے لیکن جہاں کہیں عقل اور فطرت کے حدود سے ان میں کوئی انحراف یا تجاوز ہے اسلام نے واضح الفاظ میں ان کی نشان دہی کر دی ہے کہ یہ انحراف یا تجاوز حدود اللہ سے تجاوز ہے اور اس سے معاشرہ اور قومیت میں فساد کو راہ ملتی ہے جس کا اثر بالآخر سارے نظام زندگی پر پڑتا ہے۔

اسلام میں نسل و نسب کا درجہ

اسلام نسل و نسب کے رابطہ کو ایک نہایت قوی رابطہ تسلیم کرتا ہے۔ اس کو خاندان اور معاشرہ کی بنیاد قرار دیتا ہے

[1] مگر پھر بھی اس ترسیٹھ میں فاضل مقالہ نگار یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہی بودی قومیت جمال ناصر کی پشت پناہی میں سامراج کے چھکے چھڑا سکی (استعداد)

رشتہ رحم کاٹنے کو ایک گناہ عظیم اور فساد فی الارض کا سبب بتاتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کو تنگ نظریوں اور تعصبات کے شر سے پاک رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل حقائق بھی سامنے رکھ دیتا ہے۔

ایک یہ کہ تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں اس وجہ سے حقوق اگرچہ الاقرب فالاقرب کے اصول پر قائم ہیں لیکن اپنے خاندان یا اپنی قوم قبیلہ کو حق و باطل کا معیار نہیں بنا لینا چاہئے اور اس کے تعصب میں اندھے ہو کر انصاف اور سچائی کے بالاتر اصولوں سے منحرف نہیں ہو جانا چاہئے۔

دوسرا یہ کہ خاندانوں اور قبیلوں کی تمیز اور زبان اور رنگ کی تفریق محض شناخت اور تعارف کے لئے ہے۔ یہ نہ عزت اور شرافت کی کوئی کسوٹی ہے اور نہ خدا سے تقرب و توسل کی کوئی دلیل۔ خدا کی نظر میں درجہ اور مرتبہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کی شریعت اور اس کے قانون کا احترام کرنے والے ہیں اور یہی لوگ ایک اسلامی معاشرہ میں بھی حقیقی عزت و احترام کے مستحق ہیں۔

تیسرا یہ کہ اجتماعی و سیاسی زندگی کے لئے صرف وہی ضوابط صحیح ہیں جو انسانی فطرت کے مطابق خود انسانوں کے خالق نے بنائے ہیں نہ کہ وہ جو قومی و قبائلی عصبیت کے تحت خود انسانوں نے ایجاد کئے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا حقائق قرآن و حدیث میں مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے بیان ہوئے ہیں۔ ہم چند آیتوں اور حدیثوں کے ترجمے یہاں درج کرتے ہیں:-

"اے لوگو! اپنے اس خداوند سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بھی پیدا کیا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلائیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے طالب مدد ہوتے ہو اور رحمی رشتوں کا احترام کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔" (سورۂ نساء آیت ۱)

یہ آیت ان بنیادی اصولوں کو واضح کر رہی ہے جن پر اسلامی معاشرہ (یا بالفاظ دیگر اسلامی قومیت) قائم ہے اس میں دو چیزوں کو باہمی ہمدردی اور باہمی تعاون و تناصر کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ایک خدا کو جو سب کا خالق ہے اور ایک رشتہ رحم کو جس کا شعور اگرچہ ایک خاص حد سے آگے جا کر مضمحل ہو جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ تمام نسل انسانی کے درمیان مشترک ہے۔ علاوہ ازیں عورت کو بھی اس معاشرہ میں برابر کا شریک ٹھہرایا گیا ہے اگرچہ اپنے فرائض کے اعتبار سے اس کا دائرہ مردوں کے دائرے سے الگ ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:-

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ یہ چیز تمہارے لئے تعارف کا ذریعہ ہو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اللہ علیم و خبیر رکھنے والا ہے۔" (حجرات ۱۳)

حدیث میں رشتہ رحم کی اہمیت ملاحظہ ہو:-

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا، یہاں تک کہ جب ان کو پیدا کر کے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہوا اور اس نے عرش الٰہی کو تھام کر کہا کہ یہ جگہ ہے اس کی جو قطع رحم سے تیری پناہ چاہے؟ ارشاد باری ہوا ہاں۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں اس سے جوڑوں جو تجھ سے جوڑے اور اس سے کاٹوں جو تجھ سے کاٹے؟ بولا میں اس پر راضی ہوں۔ ارشاد باری ہوا کہ یہ مقام تجھ کو بخشا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو (یعنی اس آیت سے اس مضمون کی تائید ہو جائے گی) فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا

[1] معلوم نہیں لوگوں کے کاروبار اور اموال کو من مانے انداز میں تو میا لینا خدا کا قانون ہے یا انسان کا خود ساختہ۔ جمالی ناصر بہرحال اس کام میں اتنا ہی

أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ

(ریاض الصالحین بحوالہ مسلم و بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ قطع رحم یا قطع قرابت اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پاداش میں قطع رحم کرنے والوں پر لعنت کر دیتا ہے اور ان کے دلوں دماغوں کو اندھا بہرا کر دیتا ہے۔

زبان و ادب کی حیثیت

اسلام معاشرہ کی تشکیل میں زبان و ادب کے مرتبہ اور اس کی اجتماعی و سیاسی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن اس کو بھی مجرد قومی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے بجائے اخلاقی معیاروں پر جانچ کر اس کے سلیم و سقیم اور خبیث و طیب میں فرق کرتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ قومی زبان اور قومی ادب کے نام سے رطب و یابس اور پاک و ناپاک کا جو انبار بھی اکٹھا کر دیا جائے وہ سب کا سب بلا کسی فرق و امتیاز کے یکساں عزت و احترام کے لائق قرار دے دیا جائے اور اس پورے کی حفاظت و صیانت اور اس سارے کی نقل و روایت ایک قومی فریضہ سمجھ لی جائے۔ حد یہ ہے کہ لاکھوں روپے دیہاتیوں کے گیتوں اور ان کے قصوں کہانیوں کے جمع کرنے، انکو مرتب کرنے اور ان کو لوگوں کے ذہنوں پر لادنے پر ضائع کر دیئے جائیں۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں جیسا کہ عرض کیا گیا، بالکل عقلی و اخلاقی ہے۔ وہ صرف اسی ادب کو ادب قرار دیتا ہے جو صحیح منبع سے نکلا ہوا اور جو ذہنوں کو صحیح غذا دینے والا اور طبیعتوں کو صحیح رخ پر ڈالنے والا ہو۔ اگر محض ادبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے اس معاملے کو دیکھا جائے تو حالی و اقبال کے ادب اور امانت لکھنوی اور زہر عشق کے مصنف کے ادب دونوں کے لئے احترام کے الگ الگ پہلو نکل

؎ پس تم سے یہی متوقع ہے، اگر تم منہ موڑے رہو، کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور رشتہ رحم کو کاٹو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کے کان بہرے کر دیئے اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں (محمد ۲۲)

سکتے ہیں لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو امانت اور شوق کے ادب کو ادب میں جگہ دینے کے بجائے عیب کی طرح چھپانا پڑے گا۔

امرؤ القیس کو عرب میں ایک قومی شاعر ہونے کے لحاظ سے اشعر الشعراء کا بلند مقام حاصل تھا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اشعر الشعراء وقائدهم الی النار کہ یہ تمام شاعروں کا امام اور ان کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اگر حضورؐ بھی اس کو محض قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے تو اس کو اشعر الشعراء ہی قرار دیتے لیکن آپؐ کا نقطۂ نگاہ اخلاقی بھی تھا اس وجہ سے آپؐ نے ایک ایسے شاعر کے سارے ذخیرۂ ادبی کو رد کر دیا جس نے عرب کے قومی ادب کو اگرچہ بہت قیمتی سرمایہ دیا تھا، لیکن ساتھ ہی بے حیائی اور فحاشی میں بھی آپ اپنی مثال تھا۔ اس کے برعکس آپؐ نے دوسرے اسلامی شاعروں کے کلام سنے اور ان کی تحسین فرمائی۔ زمانہ جاہلیت کے بعض شاعروں اور خطیبوں کے کلام کی بھی آپؐ نے تعریف فرمائی۔ بعض خطیبوں کے متعلق تو یہاں تک ارشاد ہوا کہ یہ حقیقت کے بہت قریب پہنچ گئے تھے لیکن حقیقت کو نہ پا سکے۔ حضرت عمرؓ مشہور جاہلی شاعر زہیر کے کلام کو بہت پسند کرتے تھے اور وجہ یہی تھی کہ اس کے کلام میں امرؤ القیس کی سی رندی و ہوسناکی نہیں ہے بلکہ نہایت گہری حکمت کی باتیں ہوتی ہیں اور ایسی خوبی کے ساتھ کہتا ہے کہ دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ یہ باتیں اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہیں کہ اسلام میں قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے زبان و ادب کو ایک جگہ حاصل تو ہے لیکن صرف پاکیزہ ادب کو حاصل ہے۔ ہر ہرزہ سرائی کو اسلام یہ جگہ نہیں دیتا۔

تہذیب اور روایات

اسلام قومیت کی تشکیل میں تہذیب اور روایات کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن جس طرح وہ زبان و ادب کو

؎ کاش مولانا اُس فحش مجموعے ''ضمان مقبول'' اور اسلامی اخلاق سے منحرف ادب ثقافت کا معائنہ فرمائیں جو جمال ناصر کے مصر نے پیدا کیا ہے۔ تجلی۔

اخلاقی کسوٹی پر جانچ کر اس کے صالح عنصر کو اپناتا اور بقیہ کو رد کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قومی تہذیب کے مظاہر اور قومی روایات کو بھی اخلاق کی کسوٹی پر جانچتا ہے اور اس جانچ کے بعد ان کا جو حصہ منکر ثابت ہو جاتا ہے اس کو تو رد کر دیتا ہے اور جو معروف ہوتا ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن کو پڑھیے تو آپ کے سامنے بار بار یہ بات آئے گی کہ فلاں بات معروف کے مطابق کرو۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس معاملے میں قومی دستور اسلام کی نظر میں پسندیدہ تھا جس کے سبب سے اسلام نے اس کی اس قدر عزت بڑھائی کہ اس کو خود اپنا ایک حصہ بنا لیا۔ برعکس اس کے قومی رسوم و عادات یا تہذیب اور روایات میں جو باتیں اخلاق کے اصول کے منافی یا حقیقت کے خلاف تھیں ان کو منکر قرار دے کر رد کر دیا۔ اسی طرح عرب کے تاریخی اشخاص میں سے لقمان اور ان کے فرزند کا نہایت اچھے انداز میں قرآن نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ پوری قوم کے بوڑھوں اور نوجوانوں کے سامنے ان کو ایک لائق باپ اور ایک لائق فرزند کی مثال کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان کی حکیمانہ نصیحتوں کا رتبہ تو اتنا بڑھایا ہے کہ وحی الٰہی نے ان کو خود قرآن کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ یہ لقمان عرب کے حکماء میں سے صرف ایک حکیم تھے کوئی پیغمبر نہیں تھے ان کے پیغمبر ہونے کا کوئی ثبوت کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن نے ذوالقرنین کا ذکر ایک عادل اور خدا ترس حکمران کی حیثیت سے کیا ہے حالانکہ وہ ایک غیر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ان چیزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام تہذیب اور روایات کو متعصبانہ نگاہ سے دیکھنے کے بجائے حق پرستانہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کا خود اپنا ایک معیار ہے جس پر جانچ کر وہ ایک چیز کو رد یا قبول کرتا ہے اور یہ معیار اخلاقی اور عقلی ہے نہ کہ قومی۔ قومی نقطۂ نگاہ تو ان معاملات میں بسا اوقات اتنا متعصبانہ ہو جاتا ہے کہ اس تعصب کے اندھے فرعون کو محض اس دلیل پر اپنا لیڈر مان لیں گے کہ وہ ان کی اپنی قوم سے تھا اگرچہ وہ نہایت مستبد اور ظالم تھا اور اس کے ظلم و استبداد ہی کے سبب سے اس کی پوری قوم عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئی اور حضرت موسیٰؑ کو محض اس بنا پر رد کر دیں گے کہ وہ نسلاً دوسری قوم سے تعلق رکھتے تھے اگرچہ وہ عدل و انصاف کے پیکر تھے اور ان کے ہاتھوں مظلوموں کو نجات ملی۔[1]

اسلام کی نظر میں وطن کی حیثیت

اسلام وطن کو بھی بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان اگر اپنے وطن کی حفاظت کی راہ میں مارا جائے تو اس کی موت شہادت کی موت ہے لیکن وطن کی اس اہمیت کے باوجود اسلام نے وطن کو بھی حق کے اصولوں کے تابع ہی رکھا ہے۔ اس کو حق سے بالاتر نہیں قرار دیا ہے اسلام کی نظر میں انسان کی اصلی قدر و قیمت اس کے ایک عقلی و اخلاقی ہستی ہونے کی ہے نہ کہ کسی خاص رقبۂ زمین کے باشندہ ہونے کی۔ اس وجہ سے وہ اس کے عقلی و اخلاقی مطالبات اور تقاضوں کو دوسرے تمام مطالبات اور علائق پر مقدم رکھتا ہے۔ اگر کسی مرحلے میں عقل اور اخلاق کے مطالبات اور وطن کے مطالبات میں تصادم واقع ہو جائے تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ آدمی عقل و اخلاق کے مطالبات کا ساتھ دے۔ وطن کے مطالبات کو نظر انداز کر دے۔ اگر ایک سرزمین پر آدمی اپنے اخلاقی و ایمانی تقاضوں کو پورا نہ کر سکتا ہو بلکہ وہ مجبور ہوتا ہو کہ وہ جس نظریۂ حیات پر ایمان رکھتا ہے اس سے دست بردار ہو۔ جن اخلاقی ضوابط کا پابند ہے ان کو نظر انداز کرے اور جن کی نگہداشت وہ اپنے فرائض میں سمجھتا ہے ان کو توڑے تو اس سرزمین کے ساتھ محض اس وجہ سے چمٹا رہنا کہ وہاں سے اس کو پیٹ پالنے کو روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر ہے اس کی انسانیت کی توہین ہے۔ ایک سچا مسلمان ایسی حالت میں دو ہی راہیں اختیار کر سکتا ہے یا تو اس کی اصلاح کے لئے اپنا پورا زور لگائے اور اس کو اس قابل بنائے کہ اپنے دین و ایمان کے ساتھ وہاں زندگی بسر کر سکے اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتا تو پھر دوسری راہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین و ایمان کو لیکر وہاں سے

---

[1] جن مصر کے لئے یہ تلمیح و اشارات سن ساٹھ میں زیب قرطاس ہوئی کیا مولانا کے علم میں وہ فرعون کے قصے اب توڑ دیئے گئے ہیں جو حسن ظن کی بنیاد پر وہ بے [illegible]

کسی ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر جائے جہاں زندگی کے دوسرے عیش چاہے حاصل نہ ہوں لیکن دین و ایمان کی آزادی حاصل ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو عجب نہیں کہ وہ ایک مخالف ماحول میں ایمان کی نعمت ہی سے محروم ہو جائے۔

قرآن مجید کی ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

"جن لوگوں کو فرشتے اس حال میں موت دیتے ہیں کہ وہ (دارالکفر میں پڑے رہنے کے سبب سے) اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ فرشتے ان سے پوچھتے ہیں تم کس حال میں پڑے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم اپنے وطن میں بے بس اور معذور تھے۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ وہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے" (۲۷ نساء)

مذہب

اسلام مذہب کو قومیت کی تشکیل میں سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ قومی عامل مانتا ہے لیکن اگر مذہب کی بنیاد شرک پر ہو یا قومی تعصبات کے تحت اس میں حق و انصاف کے فطری اصولوں کو بالکل مسخ کر دیا گیا ہو۔ یا وہ حقیقی فرائض اور واقعی حقوق کی تعلیم دینے کے بجائے صرف عوام کی خواہشوں کا ایک مجموعہ بن کے رہ گیا ہو تو ایسے مذہب کو اسلام نہ تو صحیح مذہب مانتا اور نہ اس طرح کے کسی مذہب پر قائم ہونے والی قومیت کو صحیح قومیت تسلیم کرتا ہے۔ اس طرح کے مذہب ہیں وہ سارے مفاسد موجود ہوتے ہیں جو نسل و نسب اور زبان و رنگ سے بنی ہوئی قومیتوں کے اندر ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

دنیا کے مشرکانہ مذاہب کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایجاد ہی اس لئے کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے پیرؤں کے قومی تعصبات اور ان کی قومی امنگوں کو آشیرباد دیں۔

یہودی مذہب اگرچہ اپنی اصل کے لحاظ سے مشرکانہ مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک آسمانی مذہب ہے لیکن بنی اسرائیل نے جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس میں طرح طرح کی تحریفات کر کے اسکو[1]

تجلّی

مضمون آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اگر مولانا اصلاحی کا وہ جواب جو پچھلے "آغاز سخن" میں مع سوال پورا کا پورا نقل کیا جا چکا ہے حافظے میں تازہ نہ رہا ہو تو اسے ایک بار پھر دیکھ لیں اور دیانتداری کے ساتھ فیصلہ دیں کہ جس تضاد کا ہمیں شکوہ ہے کیا وہ ہمارے دماغ کی پیداوار ہے یا واقعتہً مولانا اصلاحی کی ان دونوں تحریروں میں صریح طور پر پایا جا رہا ہے۔ ہماری سمجھ پر بھروسہ نہ کیجئے، بلکہ اپنی سمجھ سے کام لیکر بتائیے کہ کیا پیشِ نظر مقالے سے صاف صاف یہ عیاں نہیں کہ دورِ حاضر کا نظریۂ قومیت مولانا اصلاحی کے نزدیک گوناگوں اور بد سے بدتر مفاسد کا نہایت متعفن مجموعہ ہے۔ ایسے مفاسد جو لباس کی طرح خارجی نہیں ہیں خون اور اعضائے رئیسہ کی طرح داخلی ہیں جنکی سمیت کا اثر لینا نہ لینا اس نظریے کو اپنانے والے کی اختیاری شے نہیں بلکہ وہ اس نظریے کے ہمراہ اسی طرح لپٹے چلے آئیں گے جیسے غلاظت کو چھو کر آنے والی ہوا کے ساتھ تعفن اور شراب کے ساتھ نشہ۔ وہ گندے کیڑوں کی طرح خود اسی کی کوکھ سے جنم لیں گے۔ وہ اس کی فطرت، اس کا مزاج، اس کی جدا نہ ہونے والی تاثیر بن چکے ہیں۔

ایک بار مقالۂ گرامی کے خط کشیدہ فقروں پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔ تقابلی مطالعہ کے لئے ہم مثالاً دو عبارتیں آمنے سامنے رکھتے ہیں۔

سن ساٹھ میں مولاناؒ نے فرمایا تھا:۔

"دوسری خرابی اس کے اندر یہ ہوتی ہے کہ ان عوامل سے بنی ہوئی قومیتیں بالتدریج خود حق اور باطل کے لئے معیار کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ ان کے اندر عصبیت کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ ان کے مخصوص تقاضوں کی تحریک سے بالآخر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ "میری قوم" خواہ حق پر ہو یا باطل پر"

اب سن تریسٹھ (۶۳) میں مولاناؒ فرماتے ہیں:۔

[1] لیکن جمال عبدالناصر کی تحریکِ قومیت سب سے پہلے مذہب ہی کو بیڑیوں میں جکڑ کر سیاست اور معاشرت کے دائرے سے باہر دھکیل دیتی ہے۔ تجلّی۔

"قومیت میں فساد اس وقت شامل ہوتا ہے جب
یہ بجائے خود حق و باطل کی کسوٹی بن جائے اور اسکا
تعصب یہ جارحانہ اور کافرانہ روپ دھارے کہ
"میری قوم! خواہ حق پر ہو یا باطل پر"۔

سن ساٹھ کی عبارت کا مفہوم و مدلول ہی نہیں منطوق بھی آپ دیکھیں ہی تو یہ ہے کہ آج کی قومیتیں جن عوامل سے ترکیب پا رہی ہیں مولانا کے نزدیک وہ عوامل اپنی فطرت اور ساخت ہی کے اعتبار سے ایسے ناخلف ہیں کہ انکی ساختہ پرداختہ قومیت رفتہ رفتہ خود حق اور باطل کا معیار بنکر رہتی ہے اور ان دنی فطرت عوامل کے ناگزیر تقاضے جذبۂ عصبیت کو لازماً اس مقام تک پہنچا کر دم لیتے ہیں جہاں کا نعرہ ہے۔

"میری قوم! خواہ حق پر ہو یا باطل پر"

مثال کی ضرورت محسوس فرمائیں تو یوں سمجھئے کہ مولانا کی دانست میں نظریۂ قومیت کسی سادہ کاغذ کی مانند نہیں کہ جس پر اچھی یا بری جو چاہے تحریر آپ لکھ لیں بلکہ وہ ایک ایسا کاغذ ہے جس پر نہایت پختہ روشنائی سے زہریلی تحریریں ثبت ہیں۔ ان تحریروں کا ایک کیمیاوی عمل ہے جو مہلک شعاعیں اور تباہ کن گیس خارج کر رہا ہے۔

یا یوں سمجھئے کہ آج کا نظریۂ قومیت موصوف کے نزدیک نبیذ جیسا سیّال نہیں ہے جو نشہ آور ہونے کے لئے بعض خارجی عوامل کا محتاج ہو، بلکہ وہ عین شراب ہے جس کے ایک ایک قطرے میں نشہ روح کی طرح سمایا ہوا ہے۔ وہ ایسا محلول ہے جس میں زہر گھول دیا گیا ہے۔

اب سن تریسٹھ والے منقولہ بالا فقرے پر نظر کیجئے تو جھٹکا سا لگے گا کہ یہ کیا؟ اس فقرے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نظریۂ قومیت کے ناگزیر اور غیر منفک مضرات و مفاسد کی نشاندہی کے لئے جو لمبا مضمون مولانا نے سپردِ قلم فرمایا تھا وہ محض مذاق تھا۔ یہ نظریہ نہ بجائے خود برا ہے نہ اسکے بطن سے کسی مفسدے کا پیدا ہونا لازم و ضروری ہے۔ یہ تو ایک ورقِ سادہ ہے جس پر آیات لکھ لیں تو اسے مصحف کہیں گے۔ یہ ایک سادہ شربت ہے جسے سڑا کر شراب بنانا نہ بنانا آپ کے اختیار میں ہے۔ سو بہ اتفاق سے اگر یہ بالکل ہی کافرانہ روپ دھار لے تب بھی آپ فقط اتنا کہہ سکیں گے کہ اس میں فساد "شامل" ہو گیا۔

"شامل" کا لفظ خصوصیت سے داد طلب ہے۔ جب مولانا آج کے نظریۂ قومیت کی ہجو لکھنے پر آئے تو دیکھ لیجئے کہ کس طرح تن ہمہ داغ داغ کا سماں پیدا کر دیا لیکن آج جمال عبدالناصر کا اقبال انھیں اس نظریے کے حق میں اس حد تک شفیق و کریم بنا گیا ہے کہ جب نظریہ صریح کافرانہ روپ دھار لے اس وقت بھی وہ فقط اتنا ہی کہیں گے کہ اس میں فساد شامل ہو گیا ہے یہ نہیں کہینگے کہ یہ مکمل طور پر فاسد ہو گیا ہے۔ زندہ باش۔

تمھاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

نفسیاتی وجہ

اب سنئے کہ ہمارے ناقص خیال میں مولانا اصلاحی کے اس تضادِ مبین کی معنوی بنیاد کیا ہے اور کیوں ان جیسا فطین و ذکی آدمی اپنی ہی تضاد بیانی کا احساس نہیں کر پا رہا ہے۔

بے بنیاد بدظنی کرنے والے پر خدا کی لعنت۔ یہ حقیقت کسی بھی ایسے شخص سے جو غیر جانبداری کے ساتھ مولانا کی تحریریں پڑھ رہا ہو پوشیدہ نہیں ہے کہ جماعت اسلامی سے ترکِ تعلق کرنے کے بعد جماعت اسلامی سے عموماً اور مولانا مودودی سے خصوصاً ان کی ناراضگی، ان کا غم و غصّہ اور سوءِ ظن بڑھتا ہی چلا گیا۔ بڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا طول و عرض پھیل گیا بلکہ فروغ و اضافہ کیفی نوع کا ہے یعنی نقش اور گہرے اور گہرے ہوتے گئے ہیں۔ شعور سے گزر کر اب ان نقوش کا عکس تحت الشعور میں بھی جاگزیں ہو چلا ہے، بلکہ ہو چکا ہے جیسے بُو باس ہواؤں میں رچ بس جاتی ہے اسی طرح کدورت ان کے

قوائے فکری میں رچ بس گئی ہے۔ اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ مولانا مودودی کا تخطیہ کرتے ہوئے وہ ارادۃً بھی تخطیے ہی کا ارادہ رکھتے ہوں، بلکہ جس طرح سونے والے کے خوابوں میں پامال امنگوں اور کچلی ہوئی تمناؤں کے لرزیدہ سائے غیر شعوری طور پر آپ سے آپ تھرتھرانے لگتے ہیں ٹھیک اسی طرح محترم اصلاحی صاحب کی تحریروں میں بھی انکی تحت الشعوری کیفیات آپ سے آپ ہُماہُما اٹھتی ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ مولانا مودودی کچھ عرصے سے حکومت حجاز کی بارگاہ میں تھوڑی بہت قدر و منزلت کے مستحق گردانے جارہے ہیں اور پھر کون نہیں جانتا کہ جمال عبدالناصر کا مصر آج حجاز کا دوست نہیں حریف بن چکا ہے۔ نعرۂ قومیت کو مرحبا۔ اس نعرے نے پوری دنیائے عرب کو نئے بھونچالوں سے روشناس کرایا ہے عوامل اور بھی ہیں لیکن چھری پر دھار نعرۂ قومیت ہی نے رکھی ہے۔ یہ نعرۂ قومیت وہ نہیں ہے جس کا تعارف مولانا اصلاحی نے ۱۹۶۳ء میں کرایا۔ یہ وہ ہے جس کا تفصیلی تعارف وہ ۱۹۶۰ء میں کرا چکے ہیں۔ اس کے برگ و بار سن ساٹھ والے ہی مضمون سے درس حکمت لیکر پھوٹے ہیں۔ یہاں مقصود سیاسی اسباب و علل کی گہرائیاں ناپنا نہیں۔ بہرحال مسلّم واقعہ ہے کہ مصر اور حجاز دو حریف کیمپوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ مولانا مودودی نے اگرچہ حجاز کا ردیف بن کر کوئی ردّ و قدح مصر پر نہیں کی ہے لیکن ان کے زبان و قلم سے وقتاً فوقتاً ایسے حقائق پر روشنی ضرور پڑی ہے جو صاحب الفضیلۃ جمال عبدالناصر کے حق میں نہیں جاتے۔ علاوہ ازیں خدائے مصر نے جو کچھ اخوان کے ساتھ کیا اسے منظر عام پر رکھنے اور اس پر احتجاج و فریاد کرنے کا جرم بھی مولانا مودودی کی جماعت اسلامی سے سرزد ہو چکا ہے۔ ان دونوں چیزوں پر مستزاد بارگاہ حجاز میں مولانا مودودی کی قدر و منزلت بس تو کریلا اور نیم چڑھا والا مضمون ہوا۔ کیسے غضب کی بات ہے کہ جس شخص کی کج فہمی، کم علمی، ہوا پرستی اور کوتاہ قامتی کو مولانا امین احسن جیسا مفکر واضح کر رہا ہو اسے حرمین شریفین کے والی سر آنکھوں پر جگہ دیں۔ یہ تو صریح اشتعال انگیزی ہے بالواسطہ توہین ہے۔ یہ اندھیر اگر مولانا موصوف کی خودی کو پیچ و تاب میں نہ مبتلا کرتا تو تعجب تھا۔ کر گیا تو ہرگز تعجب نہیں۔ اسی پیچ و تاب کا فنکارانہ مظہر وہ تضاد ہے جس پر ہم جھک مار رہے ہیں۔ تعصب بڑی ظالم چیز ہے یہ شعبدہ گر رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو چیونٹی بنا کر دکھا سکتا ہے۔ ہرگز نہ سمجھیے کہ جمال عبدالناصر کی صفائی پیش کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے جو چھینٹے مولانا مودودی پر اڑائے ہیں ان کے بارے میں وہ بددیانت ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان کی دیانت ہم سے زیادہ قوی اور انکا ایمان ہم سے کہیں بڑھ کر پختہ ہوگا لیکن تحت الشعور کی وسیسہ کاریوں اور لیے دیے تعصب کی فتنہ طرازیوں کو وہ کیا کریں۔ لکھتے نیت نیک سے ہیں لیکن الفاظ آپ سے آپ ایک خاص رنگ و بو لئے ہوئے نوک قلم تک آتے ہیں اور کاغذ پر بکھر جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ایک اچھے خاصے عالم دین رسول اللہؐ کو حاضر و ناظر کہہ رہے ہیں — کیا یہ بددیانت ہیں؟ کیا ان کی نیت فاسد ہے۔ ہرگز نہیں۔ جو شخص نفسیات کی ابجد سے بھی واقف ہوگا وہ ضرور جانے گا کہ مشرکانہ قول ارادۂ شرک کا ثمرہ نہیں۔ اس کے پیچھے بدنیتی کا کوئی شائبہ نہیں یہ تو فقط ثمرہ ہے ذہن کی اس کجی کا جس کا ذرا بھی شعور ان صاحب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ تو آوردہ ہے اُس مخفی جہل کا جسے غلط تعلیم اور مسموم صحبت نے ان صاحب کے قوائے فکری میں رچا بسا دیا ہے۔ آپ کتنا ہی سمجھایئے کہ محترم یہ شیطانی عقیدہ ہے۔ یہ رسولؐ کی توصیف نہیں خدا کی توہین ہے۔ یہ صاحب کسی قیمت پر نہیں مانیں گے، بلکہ اُلٹا آپ ہی کو گمراہ اور بددین قرار دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح مولانا اصلاحی بھی نہیں مان سکتے اور نہیں محسوس کر سکتے کہ اپنے ہی تین سال قبل والے مضمون کے مضمرات و مدلولات ہی سے نہیں اس کے منطوق تک سے انحراف کرتے ہوئے آج وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے پیچھے زاویۂ فکر کی کوئی خرابی یا تہہ نشین تعصب کی کوئی کارفرمائی جلوہ طراز ہے۔ ان کے ہم مشرب اور مولانا مودودی سے سنگین قسم کا بیر رکھنے والے بھی عامر عثمانی کے تجزیے سے متفق نہیں ہوں گے بلکہ اسے مولانا مودودی کا مرید، بھواسی، تجلی نہ جانے کیا کیا قرار دیں گے

مگر یہ سب قرار دینے کی پرواہ کسے ہے۔ پرواہ تو صرف ایک ہی ذات کی ہے جس کے آگے ہم سب کو حساب دینا ہے وہی دل و دماغ کی نس نس سے ہر کیف و کم کو جوں کا توں باہر لائے گا اور پھر اپنی اپنی کرنی کے پھل سب کو تفویض ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ خود پرستی، غرور، احساس برتری اور انانیت سے بچائے۔ ہمیں اپنے علم و فہم کی اصابت پر اصرار نہیں ہماری رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اہل بصیرت خود ہی غور فرمالیں کہ ہماری معروضات مولانا مودودی کی اندھی حمایت پر مبنی ہیں یا واقعۃً مولانا اصلاحی سے ہی چوک ہوئی ہے۔ ھذا ما عندی

والعلم عند اللہ

حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی

اپنی نوع کی پہلی بے نظیر کتاب۔ اس میں حضرت معاویہؓ کی شخصیت آپ کے مقام اور حکمت و سیاست کا بھرپور تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ کسی بھی صحابی کا دامن داغدار نہیں ہوتا۔ صحابیت کی تقدیس پر لاجواب فکر انگیز تحقیقی و تنقیدی مواد۔ کتابت و طباعت، کاغذ سب عمدہ۔ مجلد مع حسین ڈسٹ کور۔

قیمت دس روپے ۱۰/-

ہمارے عائلی مسائل

پوتے کی وراثت، ایک سے زائد نکاح، عمر نکاح اور احکام طلاق سے متعلق مغرب زدوں کے باطل و فاسد موقف کا قوی رد اور اسلامی موقف کی مدلل تشریح۔ پونے چار روپے

دو خاص نمبر

تجلّی کا خلافت نمبر — ایک روپیہ ۱/-

چراغ راہ کا سالنامہ ۱۹۶۲ء — ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

جانے پہچانے اور وہ جنہیں کوئی نہیں جانتا

مشہور شاعر جناب انور صابری نے اس کتاب میں بعض معروف اور بعض گمنام شعراء کے مختصر حالات اور اشعار کے نمونے جمع کئے ہیں۔ دلچسپ چیز ہے۔ قیمت چار روپے۔

سوانح مولانا حسین احمد مدنیؒ

یہ بھی انور صابری صاحب ہی کی پیشکش ہے۔ مولانا مدنیؒ کے حالات، ان کا شجرہ اور ضروری کوائف شعر کی زبان میں۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ۔

حیات امام ابو حنیفہؒ

مصر کے مشہور عالم استاذ ابوزہرہ کی معرکۃ الآراء تالیف۔ امام اعظم سیدنا ابو حنیفہؒ کی زندگی کے تمام گوشوں کا سیر حاصل محققانہ اور بسیط تعارف۔ اردو ترجمہ دلکش۔ پندرہ روپے ۱۵/-

حیات امام ابن تیمیہؒ

یہ بھی استاذ ابوزہرہ ہی کی فاضلانہ عرق ریزیوں کا نقش جمیل ہے۔ ابن تیمیہؒ کے افکار و آراء، اوصاف و خصائل اور احوال و کوائف کی تفصیلی سرگذشت۔ ۲۱ روپے ۲۱/-

حیات امام احمد ابن حنبلؒ

یہ بھی استاذ ابوزہرہ ہی کے بلند ذوقِ تحقیق کا ایک بیش قیمت شہ پارہ ہے۔ امام احمدؒ کی شاندار سیرت۔ فولادی عزم و ہمت اور اونچے علم و فہم کا مکمل خاکہ۔ نو روپے۔

تحفہ اثنا عشریہ (اردو)

خانوادۂ ولی اللّٰہی کے شہرۂ آفاق عالم شاہ عبدالعزیزؒ کی مشہور تالیف جو نہایت مضبوط دلائل سے شیعی عقائد کا رد کرتے ہوئے عقائد صحیحہ کا قیمتی مواد پیش کرتی ہے۔ بارہ روپے ۱۲/-

مشارق الانوار

مستند احادیث کو فقہی ترتیب سے پیش کرنے والی لاجواب کتاب جو ثابت کرتی ہے کہ حنفی فقہ کی بنیاد ارشاداتِ رسولؐ ہی پر ہے۔ اردو ترجمہ مع عربی۔ چودہ روپے ۱۴/-

ابوذر غفاریؓ

جلیل القدر صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز و روح نواز حالات۔ مفصل اور مستند۔ مجلد دو روپے۔

مکتبہ تجلی کی مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو پی)

باندیوں کا مسئلہ (الثمين) جہاد میں ہاتھ آئی ہوئی عورتوں کو باندی بنا کر رکھنے کی دینی و علمی حیثیت۔ کتاب میں مصنف کا ایک خط اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کا جواب بھی شامل ہے۔ ڈیڑھ روپیہ۔

خلاصہ اشرف السوانح مولانا اشرف علیؒ کے حالات و سوانح۔ دو روپے -/۲

فارابی معلم ثانی حکیم ابوالنصر فارابیؒ کے علم و فضل، ان کی سوانح اور کمالات، تجدید فلسفہ و منطق کے مفصل مکمل حالات۔ پونے دو روپے ۱/۷۵

محمد رسول اللہ مشہور مصری مصنف توفیق الحکیم کی کتاب کا عمدہ اردو ترجمہ، مکالمہ کے انداز میں لکھی ہوئی حضورؐ کی سیرت مقدسہ بے حد دلچسپ اور پرکیف۔ قیمت پانچ روپے -/۵

ابوبکر صدیقؓ مصنفہ :- محمد حسین ہیکل مصری۔ ترجمہ :- شیخ محمد احمد پانی پتی۔ پانچ روپے

عمر فاروق اعظمؓ مصنفہ :- محمد حسین ہیکل مصری۔ ترجمہ :- حبیب اشعر۔ نو روپے -/۹

اشرف الجواب مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے بعض سوالوں کے اہم جواب۔ مکمل دو حصے ساڑھے چار روپے ۴/۵۰

حیات انورؒ فخر المحدثین مولانا انور شاہ صاحبؒ کا مفصل تذکرہ۔ آپ کے علمی کمالات کا نقش جمیل۔ قیمت چار روپے -/۴

منہاج العابدین (اردو) امام غزالیؒ کی سب سے آخری تصنیف جو آپ کی پوری زندگی کی تعلیمات کا خلاصہ اور تصوف کا نچوڑ ہے۔ مجلد آٹھ روپے۔

آئینہ نماز صرف نماز ہی کے نہیں بلکہ پانچوں ارکانِ اسلام کی تفصیل مع مسائل ضروریہ۔ ڈیڑھ روپیہ۔

حکیم الامتؒ کی مجلسیں مولانا اشرف علیؒ کی روح پرور مجالس کا پرکیف تذکرہ۔ قیمت دو روپے -/۲

الفرقان شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے ایک روح نواز رسالے کا اردو ترجمہ جس میں کرامت بزرگی کی علامات اور ولایت کی حقیقت پر لاجواب گفتگو کی گئی ہے۔ مجلد مع حسین کور قیمت چار روپے -/۴

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی شہرہ آفاق کتاب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اہل علم اسے علمی اعتبار سے مستند مانتے ہیں اور انداز بیان دل کشی، رچاؤ اور دروبست کے لحاظ سے یہ اپنا جواب آپ ہے۔ سوز و گداز میں ڈوبا ہوا اسلوب نکھرا اور ستھرا ہوا فکر، عبارتیں رواں، شگفتہ اور دلنشیں۔ مدت سے یہ قیمتی کتاب نایاب تھی اب خاص اہتمام کے ساتھ تین جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔ قیمت مکمل غیر مجلد بیس روپے۔ -/۲۰

(مجلد تین جلدوں میں ۲۵ روپے)

خصائل مسلمین شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پوتے شاہ محمد اسحاقؒ کی مشہور کتاب "مسائل اربعین" کا اردو ترجمہ۔ چالیس مروجہ بدعتوں کا رد مستند کتب فقہ کے حوالوں سے۔ مجلد دو روپے۔ -/۲

سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ محبوب العارفین حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی اثر انگیز سوانح حیات۔ جو اجمیر کی خاک میں استراحت فرما رہے ہیں۔ قیمت ساڑھے چار روپے ۴/۵۰

الوسیلہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی مشہور کتاب جس میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ قرآن میں وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کہہ کر اللہ نے جس وسیلے کی طرف توجہ دلائی ہے وہ آخر کیا ہے؟ قیمت مجلد نو روپے -/۹

اصح السیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لاجواب کتاب، محققانہ مگر دلچسپ مستند و تیج اور بیش بہا۔ سیرت کی کتابوں میں اس کتاب کو اپنا جواب آپ مانا گیا ہے۔ قیمت مجلد دس روپے۔

از :- ملا ابن العرب مکی

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

ایک مظلوم شوہر گرمیوں کی دوپہر میں ٹھیک بارہ بجے گھر لوٹا۔ اس کا معدہ مارے بھوک کے حلق تک چڑھ آیا تھا۔ اسے توقع تھی کہ اس کی شوہر پرست بیوی باورچی خانے کی پیڑھی پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔ لیکن جب وہ اکتھا یا سیٹی کرتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ باورچی خانہ تو ویران پڑا ہے اور بیوی دالان کے پلنگ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے نوشت وخواند میں مشغول ہے۔

جی ہاں نوشت وخواند! بیوی کے ایک ہاتھ میں قلم تھا اور دوسرے میں اخبار۔ وہ زیر مطالعہ مضمون پر نشان لگاتی جا رہی تھی اور لگتا ہے کہ ایک کاغذ پر کچھ لکھتی بھی جاتی تھی۔ اخبار کا مطلب آپ نے غلط سمجھا۔ وہ فی الحقیقت اخبار نہیں تھا مگر رسالہ بھی نہیں تھا وہ ایک بین بین چیز تھی۔ ویسے اس کی پیشانی پر "اخبار" ہی لکھا ہوا تھا مگر ظاہر ہے بچے کے ماتھے پر آپ گدھا یا گھوڑا لکھ دیں تو وہ اپنی نسل نہیں بدل سکے گا۔ بہرکیف شوہر مارے غصے کے آگ بگولا ہو گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا بیوی کے سر پر پہنچا مگر بیوی اپنے شغل میں اس درجہ منہمک تھی کہ اسے اب بھی شوہر کی آمد کا احساس نہیں ہوا۔ دراصل شوہر کی طرف اس کی پشت تھی یا آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ شوہر کا منھ اس کی پشت کی طرف تھا۔

شوہر نے فرط غیظ میں ارادہ کیا کہ پستول نکال کر بیوی کی عین گدّی پر داغ دے مگر اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ پستول تو اس نے سوائے فلم کے کہیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے ارادہ کیا کہ شیر کی طرح دہاڑے لیکن وہ ایسا بھی نہ کر سکا۔ کیونکہ ایک پرانی یاد اس کے ارادے اور عمل کے درمیان مخل ہو گئی۔ ایک بار اس نے اپنے دوست صوفی مظلوم سے ٹریننگ لے کر بیوی پر شوہرانہ طمطراق کی آزمائش کی تھی نتیجے میں اسے دو وقت مونگ کی دال اور تیسرے وقت بینگن کا بھرتہ کھانا پڑا تھا۔ مونگ کی دال تو خیر آدمی آنکھ بند کر کے کھا بھی لے مگر بینگن کا بھرتہ! — اس کا تو فقط نام ہی اسے بلڈ پریشر میں مبتلا کر دیا کرتا تھا۔

پھر اس نے کیا کیا؟

میں بتاتا ہوں کیا کیا — صبر کیا! — جی ہاں اس نے صبر کیا جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ آپ تاؤ کھائیں گے کہ معاذ اللہ اگر صبر ہی کرنا تھا تو شوہر بننے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کہتا ہوں اگر آپ میری جگہ ہوتے تو آپ کو بھی صبر کرنا پڑتا کیونکہ جس شوہر کا تذکرہ ہے وہ تو خود میں ہی ہوں۔ میں ہی ہوں وہ سیاہ بخت جو دوپہر میں بھوکا پیاسا لوٹا تھا اور میری ہی بیوی وہ بیوی ہے جو آمادۂ انتقام ہونے کی صورت میں بینگن کا بھرتہ ضرور پکالیتی ہے۔

جب اس اللہ کی بندی کا انہماک کسی طرح ختم ہونے میں نہ آیا تو میں نے فقط اتنا کیا کہ عین کان کے قریب منہ لے جا کر ذرا خنجر کی بولی بول دی۔ یہ حرکت بچکانہ تھی یقیناً تھی لیکن مجھے ایسا شخص دکھلائیے جو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کبھی نہ کسی وقت بچہ نہ بن جاتا ہو۔ آپ کی بیوی اگر سچ مچ کی بیوی ہے تو قسم کھا کے بتائیے کیا آپ بھی وقتاً فوقتاً اس کے سامنے بچے نہیں بن جاتے ...... نہ نہ ... انکار سے پہلے بات سمجھ لیجیے بچہ بننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ

آپ فاختہ ہی کی بولی بولیں یا خدا نخواستہ گدھے کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کریں بچہ بننے کے ہزار ڈھنگ ہیں میں تفصیل میں جاؤں گا تو بات زلف یار کی طرح دراز ہو جائے گی۔ مختصر یہ ہے کہ میں نے فاختہ کی بولی بولی اور ضرور بولی۔ اگر صوفی مسکین کا معاملہ ہوتا تو شاید میں گدھے کی بولی بولتا لیکن آپ نے سنا ہو گا دنیا کے سب سے بڑے انسان ؐ نے عورتوں کے بارے میں فرمایا ہے:۔

"یہ آبگینے ہیں!"

پھر بھلا فاختہ سے بڑھ کر نرم و نازک آواز کس کی ہو گی۔

"ہائے اللہ۔۔۔" وہ بے طرح چونکی "آپ تو زندگی بھر بچے ہی رہیں گے۔"

"اور تم عین جوانی میں بوڑھی ہو جاؤ گی۔ یہ اپنے بھیا کی طرح ماتھے پر درجن بھر شکنیں ڈال کر قلم گھسنا بڑھاپے کے سوا کیا کہلائے گا۔ غالباً تم تنقید کی ٹانگ توڑ رہی تھیں؟"

اس کے چہرے پر جھینپا ہوا سا غصہ نمودار ہوا۔

"جب آپ نے لاپروائی اختیار کر لی ہے تو پھر آپ کا فرض مجھی کو انجام دینا ہو گا۔"

"یعنی؟" میں نے نہ سمجھنے کا مظاہرہ کیا۔

"آئے دن لوگ بھیا کے خلاف لکھتے رہتے ہیں آپ کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔"

"کیوں رینگے۔ تمھارے بھیا بھی تو کان رکھتے ہیں ان پر کوئی جوں کیوں نہیں رینگتی؟"

"ان کی بات اور ہے۔ اپنی ذات کے خلاف کئے گئے حملوں کا خود دفاع کرنا وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں آپ کو حمیت ہوتی تو یہ فرض آپ کا تھا۔"

"میرا کیوں تھا۔ مجھے کلیر شریف جانے کے لئے آٹھ دن کی چھٹی درکار تھی تمھارے بھیا نے نہیں دی۔ میں بے چھٹی کے چلا جاتا تم نے پیسے نہیں دیئے۔ یہ ہے تم دونوں کا کردار پھر بھلا میں کیوں تمھاری یا تمھارے بھیا کی پروا کروں۔"

"شرم آنی چاہیئے آپ کو۔ بڑے اچھے لگتے داڑھی لگا کر طوائفوں کا گانا سنتے۔"

"تو لاؤ پیسے دو میں داڑھی منڈوا کر چلا جاؤں گا۔ ویسے اگر تم بھی میرے ساتھ چلو تو یہ ضرور دکھلاؤں گا کہ زبانِ عاشقانِ اولیاء کے حجرے میں داڑھیوں کی پوری کھیتی لہراتی ہے۔"

"لہراتی ہو گی" وہ الکسا کے بولی "آپ جا کے نہا دھو لیجئے۔ غسل خانے میں سب سامان تیار ہے۔"

"وہ تو ہے پہلے یہ بتاؤ تمھارے چہرے پر ڈھائی کیوں بج رہے ہیں؟"

"آپ ہی کا کرم ہے۔ اچانک کان میں کوک دیئے۔ گھر میں چوہوں کی طرح چپکے چپکے آنا بڑی تکلیف دہ بات ہے۔"

"چپکے چپکے۔ تو کیا میں بگل بجاتا آیا کروں۔ یوں کیوں نہیں کہتیں کہ کسی فلمی سور ما نے تمھارے بھیا کی بڑی کس کے خبر لی ہے بس اسی کے صدمے میں تم ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو۔"

"ہوش و حواس کھوئیں میرے دشمن۔ ہاں آپ کی طرح پتھر بھی نہیں ہوں کہ کسی بات کا اثر ہی نہ ہو۔ آپ تو کہا کرتے تھے کہ اہلِ حدیث لوگ بڑے مسکین ہوتے ہیں۔"

"اب بھی کہتا ہوں۔ یہ ہمارے صوفی مسکین بھی تو ایک زمانے میں اہلِ حدیث ہی تھے مگر کسی دنبالۂ عالم کے پھیر میں آکر قلندر بن گئے۔"

"دنبالۂ عالم؟"

"ہاں۔ جس عورت کی چوٹی گھٹنے تک لمبی ہو اسے دنبالۂ عالم کہتے ہیں۔۔ بالائی دُم۔"

"اچھا اچھا آپ غسل خانے جائیے۔"

غسل خانے میں دیر نہیں لگی۔ اتنے میں ملائن بھی اپنی نارمل حالت پر آگئی۔ عجیب بات ہے کہ ملائن ویسے تو بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ حیرتناک تحمل سے کر جائے گی۔ شاید یہ میری موت پر بھی نہ روئے لیکن اپنے بھیا کے معاملے میں یہ بالکل موم ہے، ذرا آنچ لگی اور پگھلا۔

"کیوں نیک بخت" میں نے کھانے کے دوران پوچھا

"اگر ایک ڈاکو پستول تان کر تم سے پوچھے کہ بتاؤ عامر عثمانی کو ماروں یا ملا ابن العرب مکی کو تو تمھارا جواب کیا ہوگا؟"

"میں کہوں گی فقط مجھے مار دو مجھ میں ان دونوں کی روح سمائی ہوئی ہے۔"

"بکواس۔ اب وہ زمانہ نہیں کہ تہہ خانے میں پنجرا ہے، پنجرے میں طوطا ہے طوطے میں کالے دیو کی روح ہے۔"

"کیسے نہیں۔ کیا اب بھی لوگ بت نہیں پوجتے۔ اگر اتنا بڑا خدا ایک مورتی میں سما سکتا ہے تو دو انسانوں کی روحیں کسی تیسرے جسم میں کیوں نہیں سما سکتیں۔"

"استغفر اللہ۔ کیا تمھارا خیال ہے ڈاکو روحانیات کا فلسفہ پڑھ کر یہاں آئے گا۔ کان کھول کر سن لو میرا ڈاکو فقط مڈل پاس ہوگا یا ہو سکتا ہے اس نے اسکول ہی کا منھ نہ دیکھا ہو۔"

"تو پھر میں کہوں گی کہ گھر میں جو کچھ ہے سمیٹ لے جا، خون خرابہ کر کے کیا لے گا۔"

"اُف مفروضات کا جواب یوں نہیں ہوا کرتا۔ ہم نے فرض کیا ہے کہ وہ دو میں سے ایک کو ضرور شوٹ کرنا چاہتا ہے اب انتخاب تمھارے ہاتھ ہے۔"

"میں فرض کرتی ہوں کہ اس کے پستول میں گولی ہی نہیں ہے وہ تو فقط آٹھ روپے والا کھلونا لئے پھر رہا ہے۔"

"تو یہ جواب میرے سوال کا دو۔ مان لو وہ سچ مچ ہی ریوالور تانے کھڑا ہے پھر؟"

"کیوں مان لوں — اچھا چلئے مان لیا۔ پھر آپ بھی سنئے کہ میں اسے چمٹے مار مار کر ادھ موا کر دوں گی۔"

"تمھیں منطقی مباحث کی تمیز نہیں ہے۔ لعنت بھیجو لاؤ وہ اخبار دکھاؤ۔"

"نہیں دکھاؤں گی۔ آپ پہلے وعدہ کریں اس کا جواب لکھیں گے۔"

"تم تو خود لکھ رہی تھیں لاؤ وہ بھی دکھاؤ کیا موتی بکھیرے ہیں۔"

"میں نے کچھ نہیں لکھا۔ میں بچاری کیا لکھتی۔"

"بچاریاں تو بہت لکھتی ہیں۔ آج کل ہر ادبی پرچے میں کسی نہ کسی بچاری کا شہ پارہ ضرور ملتا ہے۔"

"افسانوں کی اور بات ہے۔ ہم جھاڑو پھیری عورتیں علمی مضمون کیا لکھیں گی۔"

"یہ لکھنوی ادائیں رہنے دو لاؤ دکھاؤ کیا لکھا ہے۔"

"ہرگز بھی نہیں آپ تنکے پڑیں گے تو اخبار بھی چولھے میں رکھ دوں گی۔"

"تم بیوی ہو یا لاٹ صاحب — لاؤ اخبار ہی لاؤ۔"

اب وہ چیز میرے ہاتھ میں آ ہی گئی جس کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نہ وہ اخبار ہے نہ رسالہ مگر اسکی پیشانی پر اخبار لکھا ہوا ہے۔ گویا اس کا نام یقیناً اخبار ہے مگر جنس نامعلوم۔ جنس کی تحقیق آپ کرنا ہی چاہیں تو اتنا اتا پتا اور دیئے دیتا ہوں کہ پورا نام ہے:-

"اخبار اہل حدیث"

اس میں کسی "سمرادی" بزرگ کے عنوان چھپا تھا۔

"مدیر تجلی کا قتل"

سمرادی کی پہیلی میں نہ بوجھ سکوں گا۔ ہو سکتا ہے وہ سمرسٹے کے رہنے والے ہوں۔ ہو سکتا ہے سمرقندی کو کاتب نے سمرادی بنا دیا ہو۔ ہو سکتا ہے سمرا کسی گاؤں کا نام ہو۔ یہ تیسرا ہی قیاس زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مضمون کا اسلوب و دروبست اسی کا مؤید ہے۔ سچ پوچھئے تو میں جھوم جھوم گیا۔

آپ خود سوچئے جس شخص سے آپ بیزار ہوں جسکی ایک ایک ادا آپ کو زہر لگتی ہو اسے کوئی بے نقط سنانے لگے تو آپ کو کتنی خوشی ہوگی۔ مجھے سب سے زیادہ حسد اس لئے بھی ہے کہ ملاتن اپنے بھیا پر جسے اردو میں مدیر تجلی کہتے ہیں جان دیتی ہے۔ بھائی پہ جان دینا کوئی عیب نہیں۔ وہ اگر ترتیب گڑبڑ نہ کرتی تب بھی کوئی اعتراض نہ تھا مگر اس نے تو غضب یہ ڈھایا ہے کہ اگر آپ اس سے پوچھیں تم بہن پہلے ہو یا بیوی؟ تو وہ پھٹ سے کہے گی پہلے بہن پھر بیوی۔ یہ ٹھیک ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم پہلے مسلمان ہو یا پہلے ہندوستانی تو غدار قسم کے مسلمان — جو ہندوستان میں ساڑھے ننانوے فیصدی

ہیں ——جواب دیتے ہیں کہ پہلے مسلمان پھر ہندوستانی۔ یہ غیر اتنا جواب جس طرح جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا وغیرہ کو فرط حسد سے شعلہ جوالا بنادیتا ہے اسی طرح میں بھی بیوی کی خواہرانہ ذہنیت سے انگاروں پر لوٹتا ہوں۔

آپ شاید کہیں یہ ترتیب تو قدرتی ہے۔ پہلے بہن پھر بیوی ——میں عرض کروں گا قدرتی ہے تو ہوا کرے ——یہ بھی تو قدرتی ہے کہ کچھ لڑکیاں بدصورت ہوتی ہیں اور کچھ خوبصورت پھر کیوں پہلی بیچاریاں دوسری بیچاریوں سے جلتی ہیں؟

الحاصل میں نے مضمون پڑھا اور دل ہی دل میں مزے لوٹے۔ ظاہر میں تو اظہارِ غم ہی ضروری تھا۔ استغفار دو چار لمبے سانس بھی لئے تا کہ ان پر آہ سرد کا اطلاق ہو سکے۔

"واقعی بڑا دردناک حادثہ ہے" میں نے مضمون ختم کر کے کہا "میرے خلاف اگر کوئی ایسا لکھتا تو میں تو ہتکِ عزت کا کیس قائم کرتا۔ تم نے اپنے بھیا کو بھی دکھایا؟"

"دکھایا تھا"

"پھر؟"

"آغاز کا ایک پیرا پڑھا پھر اخبار مجھے لوٹا دیا"

"لوٹا دیا"

"ہاں کہنے لگے فاضل مضمون نگار کا بنیادی خیال ہی غلط ہے پھر آگے کیا پڑھا جائے"

"خوب"

"یہ بھی کہا کہ پورا مضمون تو پڑھ لینا اگر کوئی بات قابلِ التفات نظر آئے تو نشان لگا کر رکھنا"

"تم نے پوچھا بھی کہ پہلے ہی پیرے میں انھیں بنیادی غلطی کیا نظر آ گئی"

"پوچھا تھا۔ کہنے لگے یہ جو فاضل مضمون نگار نے میری ذات کے بارے میں دو فقرے لکھے ہیں یہ دونوں ہی اُلٹے ہیں"

"کون سے فقرے؟"

میں نے اخبار ملازمن کی طرف بڑھایا۔ اس نے ذیل کے فقروں پر انگلی رکھ دی:-

"گو ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ عامر صاحب ایک صاحبِ علم اور گہرے مطالعے کے آدمی ہیں۔ تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ فطرت کی کجی اور ٹیڑھا پن ہر جگہ اپنا رنگ لاتی ہے اور تعصب و عناد ہر مقام پر اپنا اثر دکھاتا ہے۔"

"ہوں —— تو اس میں اُلٹا پن انھوں نے کیا واضح فرمایا"

میرے الفاظ میں شاید طنز کی بو تھی۔ وہ تیوریاں چڑھا کے بولی:-

"بس ختم کیجئے۔ آپ کو بھیا سے خواہ مخواہ کا بیر ہو گیا ہے"

"معاذ اللہ میں نے کونسی گالی دی —— بھاگوان اتنی بھی ذکاوتِ حس مرض کہلاتی ہے"

"کیوں آپ مسکرائے کیوں۔ آپ کی مسکراہٹ میں تمسخر تھا"

"باپ رے۔ تم نے نفسیات کب سے پڑھی ہے —— میں تو فقط تمھاری دلداری کے لئے مسکرایا تھا۔ لو اب مسکراؤں تو گولی مار دینا۔ ہاں تو الٹا پن ان فقروں میں کیا تھا؟"

"بھیا کہنے لگے کہ اس عبارت میں دو اندازے ہیں اور دونوں ہی غلط ہیں۔ میرے علم و مطالعے کو صرف وہی لوگ گہرا کہہ سکتے ہیں جو خود گہرے نہیں ہیں میرا علم و مطالعہ ایک معمولی طالب علم سے زیادہ نہیں اور میری فطرت صرف ایسے ہی لوگوں کو کج نظر آ سکتی ہے جن کی اپنی فطرت کا زاویہ ٹیڑھا ہے ——"

"فطرت کا زاویہ؟"

"یہ انھی کے الفاظ ہیں ——میں خود بھی نہیں سمجھی تھی مگر انھوں نے ایک مثال سے سمجھا دیا۔ کہنے لگے ایک بھینگا آدمی سیدھی شے کو اس کی ٹھیک حیثیت میں مشکل ہی سے دیکھ سکتا ہے ——"

"مگر فطرت بھینگی نہیں ہوتی" میں نے اعتراض کیا

"نہ ہوتی ہو گی اب میں ان سے منہ تھوڑی آتی"

"خیر پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں کیا کہتی ——"

"کہا ہوتا کہ کم سے کم تیس چالیس ہزار آدمی آپ کے علم و مطالعے کے بارے میں ایسی ہی رائے رکھتے ہیں۔ کیا ان سب کی فطرت بھینگی ہے؟"

"آپ ہی ان سے سوال جواب کیجئے گا۔ میں نے تو فقط اتنا ہی کہا تھا کہ بھیا آپ اس مضمون پر تبصرہ لکھیں کہنے لگے تم بھی ہو۔ جو مضمون صرف میری ذات سے بحث کرتا ہو اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم پڑھ کر مجھے بتانا کہ اس میں مضمون نگار نے کسی خاص مسئلے پر بھی اختلاف رائے کیا ہے یا صرف مجھ سے ہی ناراض ہے۔"

"تو تم نے کچھ نکالا؟ —— نک مارک تو بہت سے لگائے ہیں۔"

"لگائے تو ہیں مگر بھیا شاید ہی انھیں لائق التفات سمجھیں۔ آپ نے بھی تو پڑھ ہی لیا ہوگا۔ سوائے اظہار ناراضگی کے اس میں کونسا پیرا کونسی سطر خالی ہے؟"

"پھر تم کیا خامہ فرسائی کر رہی تھیں؟ غالباً دو تین فل اسکیپ صفحے تو سیاہ کر ہی دیئے ہوں گے۔"

"انھیں چھوڑیئے آپ اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔"

"فرماؤں؟ یعنی یہ تم مجھ سے درباری بول رہی ہو؟"

"آپ بھی تو بھولے بنے جا رہے ہیں بتایئے نا آپ نے مضمون پڑھ کر کیا محسوس کیا؟"

"بڑا صدمہ محسوس کیا۔ دل میں میٹھا میٹھا درد محسوس کیا۔"

"میرا سر محسوس کیا —— ڈھنگ سے جواب ہی نہیں دیتے۔"

"ٹھیرو میں ذرا بازار تک ہو آؤں، لوٹ کر اظہار خیال کروں گا۔"

میں نے دیکھ لیا تھا کہ جب میں دالان سے کمرے میں آیا تھا تو ملائن نے اپنا قلم کاغذ پھرتی سے نازکشی والی صندوقچی میں رکھ دیا تھا جو دالان کے تخت پر رکھی تھی۔ وہ لطف یہ تر ہونے کے باوجود نہیں جانتی کہ میری پشت پر بھی آنکھیں ہیں۔ در اصل کمرے کی سنگھار میز کے آئینے میں دالان کا منظر صاف نظر آ گیا تھا۔

دالان سے گزرتے ہوئے میں نے بڑی صفائی سے صندوقچی اٹھائی اور گھر سے باہر نکل چلا گیا۔ تعاقب کا اندیشہ نہیں تھا کیونکہ بچے سب اپنے نانہال گئے ہوئے تھے اور وہ ملازمہ بھی دو دن کی چھٹی پر تھی جسے دیکھ کر میں خود کو نواب محسوس کرنے کی سعی نامشکور کیا کرتا ہوں۔

آیئے آج ملائن کا انداز تنقید بھی دیکھیے۔ اس میں تسلسل اور باقاعدگی تو نہیں ملے گی مگر اس بہن کی زندہ تصویر ضرور ملے گی جو اپنے بھائی کو دیوانہ وار چاہتی ہے۔ اس نے کہیں کہیں سے مضمون کی عبارتیں نقل کی تھیں اور ہر عبارت کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کیے تھے۔ دل تھام کر ملاحظہ ہو:۔

م سے مراد مضمون کا اقتباس اور ت کا مطلب ملائن کا تاثر۔

م

"ہرہٹ گنگاٹے (یعنی بے نکیل اونٹ) کا نام آپ حضرات نے ضرور سنا ہوگا۔ ان کی شرارت و ایذا رسانی ضرب المثل ہے۔ عامر صاحب کا قلم بھی ہرہٹ گنگاٹے اور قصہ یہ ہوا ہے کچھ کم نہیں ان کا انداز تحریر ہرہٹ گنگاٹے کی ایذا رسانی سے کہیں زیادہ فتنہ انگیز ہوتا ہے۔"

ت

واہ بزرگوار۔ لکھنے کا شوق تھا تو قلم پکڑنے کا سلیقہ بھی سیکھتے۔ کیا تماشا ہے "ہرہٹ گنگاٹے" کا مفہوم بے نکیل اونٹ بتاتے ہو پھر دو ہی تین سطر بعد یہ دونوں الگ الگ وجود بن جاتے ہیں۔ ایسی نادانی تو شاید پرائمری کے بچے بھی نہ کریں۔

خیر ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر سنو:۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

عامر صاحب کا قصور بس اتنا ہی ہے کہ انھوں نے تہذیب حاضر کے مکتب میں سخن سازی، منافقت، ملمع کاری اور مصلحت پرستی کے ڈھنگ نہیں سیکھے وہ پرانے لوگوں کی طرح بے لاگ کھری کھری سناتے ہیں۔ وہ اصلاً حنفی ہیں نہ شافعی نہ اہلحدیث

نہ سمجھا اور وہ تو فقط مسلمان ہیں۔ ان کی زبان سمجھنا چاہو تو مسلمان بنو، خالص مسلمان ــــ!

م

"عامر صاحب کی عامیانہ تقلید نے ان کی نگاہوں کو اس قدر بے نور کر دیا ہے اور قوت بینائی کو اس طرح چھین لیا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔"

ت

خدا تمھیں غارت کرے، ایسی بے رحمانہ باتیں قلم سے کیوں نکالتے ہو۔ باغی غدار۔ تمھیں دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے۔ کیا ہمارے پیارے حضورؐ نے بھی یوں منھ بھر کے کسی کو کوسا تھا۔ دل کانپتا ہے۔ یہاں ملاّ جی کے ہوش و حواس، علم و فہم سب ڈوب گئے۔ دوسرے لفظوں میں اسکی کھوپڑی کے انجر پنجر سب ڈھیلے ہو گئے۔ یہاں وہ صرف عورت ہے۔ عورت اور بہن جو جذبات کے طوفان میں تنکے کی طرح بہہ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ادھورے ہی اقتباس پر بپھر گئی۔ بقیہ جملہ آگے آتا ہے)

م

"۔ ۔ ۔ چھین لیا ہے کہ وہ اس بات سے معذور ہو گئے ہیں کہ اپنی بصارت و بصیرت سے کام لیکر اپنے علم و تفقہ کے ذریعے نمائش غلاف کعبہ کے مسئلے کی تہہ تک پہنچ سکیں۔"

ت

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تم اہل حدیث لوگ مقلّدوں سے بڑھ کر مقلّد ہو۔ فرق بس یہ ہے کہ مقلدین صفائی سے خود کو مقلّد کہتے ہیں اور تم پکّے مقلد ہو کر بھی نفی کر جاتے ہو تمھاری تقلید کی ڈور ایسے لوگوں سے بندھی ہوئی ہے جو خیر القرون سے گیارہ بارہ صدیوں کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ حالانکہ بیشتر مقلّدین کے اماموں کا فاصلہ خیر القرون سے دو صدی بھی نہیں۔ پھر قہر یہ ہے کہ تم سطح بینی کو حدیث دوستی سمجھتے ہو حالانکہ موتی کبھی سطح پر نہیں ہوتے وہ تو تہہ میں ملتے ہیں۔ تم میں سے جو غواص بھی ہے وہ بسا اوقات صدف کو موتی سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ صدف تو چند پیسے کے سیپ سے زیادہ کچھ نہیں۔ موتی اندر ہے۔ ویسے میں ایمان نہیں نگلوں گی تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو موتی نکال کر لائے ہیں۔ ان پر سلامتی ہو مگر تم پر سلامتی بہت مشکل ہے تم تو جہل مرکب میں گرفتار ہو۔ خدا محفوظ رکھے۔

م

"اہل حدیث کے بھی چند ذی علم حضرات نے اس مبارک موضوع پر مضامین سپرد قلم کئے تھے اور بدلائل قاطعہ یہ ثابت کیا تھا کہ غلاف کعبہ کی نمائش فی نفسہٖ صرف بدعت ہی نہیں، بلکہ اپنے اندر بہت سے ایسے مضر اثرات کو بھی لئے ہوئے ہے جو اسلام کی حقانیت پر کیچڑ اُچھالنے کے مرادف ہیں۔"

ت

لاطائل پروپیگنڈے اور غل غپاڑے کو دلائل قاطعہ کہتے ہو۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ بدعت کی رٹ تم نے کیا لگائی اسلام کو بھی کفر بنا ڈالا۔ تمھی جیسے لوگوں نے یہ پکے پکے فتوے دیئے تھے کہ بوٹ پہننا حرام۔ ریل گاڑی میں بیٹھنا حرام نماز میں اتفاق سے بھی پائنچے ٹخنوں کو ڈھک گئے تو نماز غارت۔ حقہ سگریٹ حرام۔ ہیٹ لگانا حرام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مکروہ مت۔ ہو سکتا ہے ایسے فتوے جھاڑنے والے بعض احناف بھی ہوں مگر ہر حنفی ذہنی اعتبار سے حنفی نہیں ہوتا۔ مغز میں گودے کی ایک خاص مقدار حنفیت کو جنم دیتی ہے۔ مقدار گھٹ گئی یا گودے میں کیڑے پڑ گئے تو سمجھ لو اصلی حنفیت ختم۔ باقی جو بچے گا وہ فقط ٹخنی پاجامہ ہو گا یا چوغہ اور ایک مٹھی داڑھی۔

م

"جب عامر صاحب کی نظروں کے سامنے ایسے مدلّل و بھرپور مضامین آئے تو ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور ان کا ماتھا بڑے زور سے ٹھنکا ۔ ۔ ۔ ۔"

ت

محاورے لکھنا سیکھو۔ کوئی زبان داں اس موقع پر ماتھا

جھکنے کا محاورہ دیکھ پائے گا تو اپنا سر پیٹ لے گا۔

م

" اور اپنے آپ کو جب اہل حدیثوں کے مضامین کے
جواب سے معذور و مجبور پایا تو بہت سٹپٹائے اور
نگاہیں مارے شرم کے جھینپ گئیں۔ "

ت

حد کردی تمہاری جہالت نے۔ ماں کے پیٹ سے اردو بولتے ہوئے نکلے ہو اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ نگاہوں کا مارے شرم کے جھینپنا کوئی محاورہ نہیں ہے۔ کسی دیہاتن سے بھی پوچھو تو وہ بتا دے گی کہ نگاہیں مارے شرم کے جھکتی ہیں جھینپتی نہیں۔ تم لوگ حدیثوں سے بھی ایسے ہی الٹے سیدھے مفاہیم نکالتے ہو۔ جو اپنی مادری زبان کے محاورے صحیح استعمال نہ کر سکے وہ حدیث کی محاوراتی زبان کو کیا خاک سمجھے گا۔

عامر صاحب جھینپے ہوں یا نہ جھینپے ہوں مگر میں نے انھیں روتے ضرور دیکھا ہے۔ وہ اس لئے روتے ہیں کہ اہل علم کی بے بصری اور کج روی پر ان کے دل و جگر پھوڑا بن چکے ہیں۔ وہ روتے ہیں کہ یا اللہ اہل نظر کو کیا ہو گیا۔ بصیرت کہاں گئی۔ للہیت اور خلوص کو کس نے نگل لیا۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

جھک جھک کرنے والے ہر طرف ہیں مگر ژرف نگاہی کا دور دور پتا نہیں۔ لڑنے کو ہر عالم تیار مگر محبت اور بھائی چارے کا جذبہ برف کی طرح یخ۔ مودودی کا کابوس خدا کی پناہ۔ مودودی دشمنی میں بعضوں نے تو غلاف کعبہ کے جشن کو "ناپاک" جیسے لفظوں سے متصف کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا بلا سے ہم جہنم میں جائیں مگر مودودی کو رسوا ضرور کریں گے۔ کر لو جی بھر کے کر لو خدا نے چاہا قبر میں کیڑے پڑیں گے منکر نکیر مار مار کے دہرا کر دیں گے۔ قیامت کے دن سانپ کو ترسو گے۔

(ملا کہتا ہے، معاف کیجئے گا ناظرین عورت بہرحال عورت ہے وہ جب تک کوسے گی نہیں چین سے نہیں بیٹھے گی اس کے کوسنے پانی کے بلبلے ہوتے ہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں)

م

" عامر صاحب! ایسی بعید از قیاس باتیں لکھنے کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ یا تو آپ کے سامنے اہل حدیثوں کے علمی کارنامے آئے ہی نہیں۔ "

ت

بس رحم کرو۔ جو سچ مچ اہل حدیث تھے تم نے انکی لٹیا ڈبو دی۔ نام رکھ لیا اہل حدیث مگر کھوٹے اور کھرے کی تمیز نہیں۔ بدنام کنندۂ نکو نامے چند۔ اے بزرگو جو اصلی اہلحدیث تھے وہ تو عامر صاحب کے بھی ممدوح ہیں۔ مگر کو کو جم کو بھی تم بھی منوا لو تو اس کی توقع عامر صاحب سے فضول ہے۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

(ملا کہتا ہے یہ خالص بہن بول رہی ہے ورنہ آپ نے بھی سنا ہوگا اور ملا سے علم میں نے تو سنا ہی ہے کہ عنقا کے دم ہوتی ہے مگر اس بہن کے بھیا کو میں نے کبھی دم سمیت نہیں دیکھا یہ میری نظر کا قصور ہے تو فاضل مضمون نگار کی طرف سے میں ملا تن کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنے بھیا کی دم ثابت کرے)

م

" شاید شکیل بدایونی نے آپ ہی جیسے متکبر اور دماغی پروازیوں میں مست لوگوں کے لئے کہا تھا:-

روش چرخ دیکھنے والو
کچھ زمیں پر بھی پاتے ہیں "

ت

" دماغی پروازیوں " کے الفاظ جس شخص کے قلم سے نکل سکتے ہیں وہ اگر خالص ولایتی نہیں تو اینگلو انڈین ضرور ہونا چاہیے۔ کاش آپ جیسے لوگ شیخ سعدی کا یہ شعر گرہ سے باندھتے:-

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

کیا آپ کے گروہ میں کوئی مادر زاد ہندوستانی نہیں؟

اگر ہے تو اس سے پوچھیے "دماغی پروازیں" کس چڑیا کا نام ہے۔ بڑے بھائی! اہل حدیث کا مقدس لقب پلید مت کرو۔ پہلے تولو پھر بولو۔ تولتے ہوئے ڈنڈی مت مارو۔ ڈنڈی مارنی ضروری ہے تو آٹے دال کی دکان کھول لو۔ اور ہاں یہ شکیل بدایونی تمھیں کیوں یاد آئے۔ کیا کل ہی کوئی پکچر دیکھی ہے۔ مترہ؟ نہیں شکیل واقعی اچھے شاعر ہیں مگر نوشاد نے کیا خطا کی ہے جس کا ذکر تم بھول گئے۔ رفیع اور لتا کا بھی تذکرہ آجاتا تو تمھارے مضمون میں چار چاند لگ جاتے کیونکہ شکیل کے گانوں کو چار چاند یہی سب لگاتے ہیں۔

نہ نہ۔۔۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ شکیل کا شعر لکھنا فلم بینی کی قطعی دلیل ہے۔ نہیں بھائی صاحب یہ تو میں نے اندازاً کہا۔ غلط ہے تو ہزار بار توبہ۔ ویسے آپ کے اس بے پناہ تقدس سے جو تارک نماز کا جنازہ پڑھنا بھی حرام سمجھتا ہے یہ توقع نہیں تھی کہ ساری دنیا کے شاعر چھوڑ کر آپ کو بے اختیار شکیل بدایونی یاد آجائیں گے۔ علم النفس اگر کوئی چیز ہے تو بتائیے اس اتفاق کو کیا نام دیا جائے؟ اوہ! تو یہ آپ نے مشاعرے میں سنا تھا یا ٹھہریے۔ شاید "رعنائیاں" میں پڑھا ہوگا۔ کوئی بات نہیں آپ آئندہ مجروح سلطانپوری، قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی جس کے چاہے شعر لکھیے دنیا یہی سمجھے گی کہ ماشاءاللہ لٹریچر پر مطالعہ کافی وسیع ہے۔ یہ فلمی گانوں کی ایک ایک آنے والی کتابیں بھی تو آج کل لٹریچر ہی میں شامل ہیں۔ انھیں ہر شخص سینما ہال میں قدم رکھے بغیر بھی خرید سکتا ہے۔

دل کہتا ہے کہ یہاں ملا جی انتقام کی رو میں بہہ گئے اہل حدیث لوگ کبھی سینما نہیں دیکھتے نہ وہ فلمی گانوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ گانے سے حظ اٹھانے کے لئے جس قسم کا گنہگار ذہن درکار ہے وہ اگر آدمی کی کھوپڑی میں ہو تو وہ حنفی بن جاتا ہے اہل حدیث نہیں رہ سکتا۔ ثبوت یہ ہے کہ مولانا آزاد گانے کے رسیا تھے پس ان کی اہل حدیثیت دھاروں دھار بہہ گئی۔ مانا وہ حنفی بھی نہ بن سکے لیکن بن جاتے اگر وزیر بننے کے بعد بھی انھیں غریب اسلام سے کچھ دلچسپی باقی رہ گئی ہوتی۔ الہلال والبلاغ والا ابوالکلام تو یقیناً حنفی تھا کیونکہ اس وقت بھی موسیقی سے اس کا ذہنی رشتہ بڑا گہرا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بظاہر اس نے احناف ہی کے خلافِ مسلک کاہے ماہے کچھ لکھا ہو لیکن جڑ بنیاد سے وہ حنفی ہی تھا۔ پھر وہ وزیر بن گیا اور حنفیت اور اہل حدیثیت دونوں باہوں میں باہیں ڈالے کچھ ہاؤس چلی گئیں۔ آج بھی جس کا جی چاہے مولانا آزاد کے مزار پر جا کر دیکھے۔ بالکل پاس والے میدان میں جہاں احناف اور اہل حدیث دونوں چار چار آنے میں تیل مالش کراتے ہیں شکیل بدایونی کا یہ مشہور نغمہ —— جی ہاں نغمہ فضا میں رچا بسا ملے گا۔

یہ دنیا گول ہے
اوپر سے ڈھول ہے
اندر سے دیکھو یارو بالکل خولم خول ہے

قسم لے لیجئے میں نے "چودھویں کا چاند" نہیں دیکھا۔ یہ تو ملانی جی دیکھ کر آئی تھی۔ ملانی جی کا کمال یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ بہشتی زیور بغل میں دبا کر سینما چلی گئی تھی۔ جب انٹرویل ہوا تو بہشتی زیور کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس "جام وسنداں باختن" پر اسے نوبل پرائز ملتا مگر پرائز صوفی قندیل مار لے گئے۔ وہ رمضان میں افطاری اور مصلی لے کر شام والے شو میں پہنچ گئے تھے۔ کرتے بھی کیا فلم "رنگین راتیں" عین رمضان میں لگا تھا اور شوال تک چلنے کی امید نہیں تھی۔ روزہ تو گھڑی دیکھ کر افطار لیا اور مغرب انٹرویل میں پڑھ لی۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

میں نے غیرت دلائی تھی تو دانت کٹکٹا کے بولے تھے:۔

"تم وہابی ہو۔ ہم میاں کے اشارے بغیر نہیں گئے تھے۔"

"میاں؟"

"ہاں اپنے بڑے سجادے صاحب۔"

"تو کیا وہ ہر حرام کو حلال کر سکتے ہیں؟"

"ضرور کر سکتے ہیں مگر تم جیسے دہریوں کے لئے نہیں جو چیلا بن جائے اسے سب طرح کے مقامات سے گزارتے ہیں"

"یہ کونسا مقام تھا جو سینما کے بیچوں بیچ ہو کر گذرا؟"

"باقی باللہ فانی فی اللہ۔ اس میں قبض اور بسط کے برزخ سے گذرنا پڑتا ہے۔"

"قبض اور بسط کا برزخ؟"

"اور کیا۔ روح نور کا قالب پہن کر لامکاں کے چکر کاٹتی ہے۔"

"اللہ اکبر۔ پیٹ میں مروڑ بھی ضرور ہوتا ہوگا؟"

"کیا؟" وہ برا سا منھ بنا کر غرائے۔

"بگڑیے نہیں۔ مجھ گدھے کا خیال ہے کہ قبض اور بسط کا برزخ پیچش ہی ہو سکتا ہے۔ تمہیں ایک بات کہتا ہوں"

"ملعون وہابی نکلو یہاں سے ——"

(مسلانزدہ صحبت باقی)

اعلان

ماہ اگست ۶۳ء کے ماہنامہ تجلی میں کسی ایک طالب علم نے مدیر تجلی سے کچھ سوالات کئے ہیں اور ان میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان کو غلط طور پر میری طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ میں اپنی اس تحریر کے ذریعہ اعلان کرتا ہوں کہ ان خیالات سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں اور نہ یہ میرے خیالات ہیں۔

عبید الرحمان الرحمانی
دار العلوم احمدیہ سلفیہ
دربھنگہ

الادب المفرد امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری کی بیش بہا کتاب جس میں ہر دور اور ہر شخص کے کام آنے والی ہدایات پر مشتمل احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اردو مع عربی۔ کتابت طباعت عمدہ۔ کاغذ گلیز۔
قیمت مجلد بارہ روپے ۱۲

حضرت خالدؓ سیف اللہ اسلام کے عظیم سپہ سالار کی وجد انگیز داستان حیات۔ سوا دو روپے۔ ۲/۲۵

تذکرۂ خانہ کعبہ بیت اللہ کی مکمل تاریخ۔ قیمت ڈھائی روپے ۲/۵۰

سیرت عائشہ صدیقہؓ فقیہہ الامت ام المومنین حضرت عائشہ کی سوانح حیات
قیمت ۸۸ نئے پیسے

قرآن میں نظام زکوٰۃ زکوٰۃ کے مسئلہ پر ایک کاوش ڈیڑھ روپیہ ۱/۵۰

علمی جواہر پارے گوناگوں علمی، اخلاقی، ادبی اور حکایاتی مضامین نظم و نثر کا بے حد دلچسپ، فکر انگیز، روح نواز اور اچھوتا مجموعہ جسے فاضل مؤلف مولانا مفتی محمد شفیع نے کشکول کا لطیف و ذو معنی نام عطا کیا ہے
قیمت ساڑھے سات روپے ۷/۵۰

امام ابو حنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی از ڈاکٹر حمید اللہ
امام اعظمؒ نے کس عظیم الشان طریقے پر قانون شریعت کی تدوین کی طرح ڈالی

اسلامی نظم و نسق تقریباً چھ سو برس قبل کے ایک قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین ابن جماعہ کی بیش قیمت تالیف جو اسلامی نظم و نسق کے دلچسپ مسئلے کو تجربے، بصیرت اور فہم و تدین کی روشنی میں پیش کرتی ہے۔ اردو ترجمہ رواں اور شگفتہ۔
قیمت مجلد ساڑھے تین روپے۔ ۳/۵۰

مکتبۂ تجلی۔ دیوبند یوپی

محمد حسین چشتی ۔ کشمیر

پراویڈنٹ فنڈ کی زکوٰۃ کا مسئلہ

پراویڈنٹ فنڈ کے مسئلہ پر تجلی میں معقول و منقول دونوں پہلوؤں سے کافی لکھا جا چکا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بات بلا ریب طے ہے کہ دورانِ ملازمت میں یہ فنڈ وجوبِ زکوٰۃ سے مبرّا ہے۔ لیکن چشتی صاحب کا مضمون پھر بھی تحصیلِ حاصل نہیں کیونکہ یہ موضوع کے ان واقعاتی گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے جو تجربے اور خصوصی واقفیت ہی سے جانے جا سکتے ہیں موصوف کے اُس مکتوب کا بھی ایک پیرا مضمون کے آغاز میں دیا جا رہا ہے جو انھوں نے اس مضمون کے ساتھ رقم فرمایا ہے۔ ہمیں حیرت ہے۔ اور قارئین کو بھی اس حیرت میں ہمارا ساتھ دینا چاہئے کہ فاضل مدیر زندگی نے اس مضمون کو شائع نہیں کیا حالانکہ اس کا لب و لہجہ اور اس کے مطالب دونوں اس کے مستحق تھے کہ "زندگی" انھیں اپنے لئے باعثِ عار نہ سمجھا۔ علمی دیانت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ مدیر زندگی اسے شائع کرتے ہوئے اس پر تنقید فرماتے۔ لیکن انھوں نے کیوں اس کی اشاعت سے انکار کر دیا یہ وہ اور ان کا خدا ہی جان سکتا ہے۔ ہم بہرحال اسے جگہ دیتے ہیں۔

میں نے جی پی فنڈ کی زکوٰۃ کے مسئلے پر مدیر "زندگی" رام پور کو ایک مضمون بھیجا تھا تاکہ زندگی میں شائع فرما دیں۔ لیکن انھوں نے شائع کرنے سے انکار کیا تو میں نے مضمون واپس منگا لیا۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ یہ مضمون اگرچہ آپ کے مضمون کے خلاف ہے پھر بھی زندگی میں شائع ہو کر تقابلی مطالعے کا کام دے گا۔ انھوں نے پھر بھی شائع نہ کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے "تجلی" میں شائع کر دیں گے۔

آپ کا بھائی محمد حسین

ماہنامہ زندگی رام پور کے فروری ۱۹۶۳ء کے رسالے میں مولانا سید احمد قادری کا مضمون بعنوان بالا شائع ہوا ہے یہ مضمون راقم الحروف کی نظر سے گذرا۔ اس میں تفصیل کیساتھ بحث کی گئی ہے اور مضمون نگار نے علمی اور دینی نقطۂ نگاہ سے اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔ آخر میں فنڈ کے بارے میں مولانا نے اپنی رائے کو مختصر انداز میں تحریر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "فنڈ پر زکوٰۃ لازم آتی ہے۔"

راقم الحروف نہ عالمِ دین ہے نہ اُسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فاضل مدیر کے ساتھ بحث میں پڑ جائے۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ ایک سرکاری ملازم ہے پراویڈنٹ فنڈ ادا کرتا ہے اور اس سے متعلق حالات اور تفصیلات سے کچھ کچھ واقف ہے یہ حق رکھتا ہے کہ وہ بھی تجربے کی بناء پر اس بارے میں اپنی رائے پیش کرے۔

فاضل مضمون نگار نے مضمون کے آخر میں لکھا ہے کہ بجا نوے فیصدی ملازمین اپنی تنخواہوں سے فنڈ خوشی کٹواتے ہیں اس لئے اس رقم پر زکوٰۃ لازم آتی ہے۔ میں مضمون نگار کے اس دعوے کو مطابق واقعہ نہیں سمجھتا۔ یہ حقیقت ہے کہ گورنمنٹ یا پرائیویٹ اداروں نے پراویڈنٹ فنڈ کو ملازموں کی بہبودی کے لئے (اور اپنی سہولتوں کیلئے

بھی) قائم کیا ہے اور ایک ملازم کو ریٹائر ہونے کے وقت یا اُس کے عیال کو اُس کی وفات پر (اگر وہ دورانِ ملازمت میں مر جائے) اس جمع کی ہوئی رقم سے کافی مدد ملتی ہے۔ لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ تیس چالیس فی صد سے زائد ملازم نہیں ہونگے جو اپنی مرضی سے یہ رقم جمع کراتے ہونگے یہ کہنا کہ ۹۵ فی صدی ملازم یہ رقم بخوشی کٹواتے ہیں سراسر مبالغہ ہے۔

. کساد بازاری اور مہنگائی کی وجہ سے اکثر غریب ملازم یہی چاہتے ہیں کہ پوری کی پوری تنخواہ اُن کے ہاتھ آ جائے تاکہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں — چونکہ گورنمنٹ یا پرائیویٹ ادارے اپنے ملازموں کی بہبودی کے لئے یہ رقم بہ جبر کاٹتے ہیں اس لئے عام ملازم صرف اُسی شرح پر فنڈ کٹواتے ہیں جو کم سے کم ہو۔ ورنہ زیادہ سے زیادہ شرح پر بھی کٹوایا جا سکتا ہے اور ملازموں کی اکثریت غریب ہی ہے۔

دوسری بات جو فاضل مضمون نگار نے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے خیال میں فنڈ گورنمنٹ کے پاس ودیعت ہوتا ہے اور ملازم کا اُس پر قبضۂ حکمی ہوتا ہے۔ اس رائے کے ساتھ راقم الحروف کو اختلاف ہے۔ جہاں تک فنڈ کے گورنمنٹ یا پرائیویٹ اداروں کے پاس ودیعت ہونے کا تعلق ہے اس میں صداقت ہے۔ لیکن یہ ایسی ودیعت نہیں کہ جب چاہو واپس حاصل کر لو یا استعمال کر لو۔ اسی وجہ سے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس پر ملازم کا قبضۂ حکمی ہوتا ہے — کیا ذیل میں دیئے ہوئے حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملازم کا اس پر صحیح قبضۂ حکمی ہے؟

۱۔ اگر کسی ملازم کے والدین یا بیوی بچوں میں سے کوئی مر جائے اور اُسے اس کی تجہیز و تکفین کے لئے روپے کی ضرورت ہو تو اُسے جی پی فنڈ سے روپیہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کام کے لئے فنڈ میں سے قرض بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اگر کسی غریب ملازم کا مکان گر جائے تو اُسے مکان کی تعمیر کے لئے فنڈ میں سے رقم حاصل کرنے کا حق نہیں — بلکہ اس کام کے لئے فنڈ میں سے بعض ملازمتوں میں قرض بھی نہیں مل سکتا۔

۳۔ اگر کوئی ملازم فنڈ میں سے قرضہ حاصل کرے تو اُسے اس رقم پر سود ادا کرنا پڑتا ہے جو وہ قرض کے طور پر حاصل کر لیتا ہے (یہ دوسری بات ہے کہ سود بعد میں اُس کے فنڈ کی رقم میں جمع کیا جاتا ہے)۔

۴۔ اگر کسی کی لڑکی بالغ ہو تو وہ اپنی جمع کی ہوئی فنڈ کی رقم کو اُس کے نکاح کے لئے استعمال نہیں کر سکتا (ہاں اُسے اس کام کے لئے فنڈ میں سے قرض مل سکتا ہے، لیکن وہ تو بہرحال قرض ہے اور اُس پر سود بھی دینا پڑتا ہے)۔

اس سے ثابت ہوا کہ دورانِ ملازمت میں اُسے فنڈ کی رقم پر تصرّف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیا ایسے حالات میں فنڈ کی رقم پر دورانِ ملازمت میں اُس کا قبضۂ حکمی ہے جس پر زکوٰۃ لازم آتی ہو؟

راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ فنڈ کی رقم بلاشک ملازم کی رقم ہے اور ریٹائر ہونے پر ملازم کے لئے یہ ایک مادی سہارے کا کام دیتی ہے۔ لیکن دورانِ ملازمت میں اُسے اس پر کوئی مالکانہ استحقاق حاصل نہیں ہوتا۔ سچ پوچھئے تو یہ رقم عملاً ملازم کی اُس وقت ہوتی ہے جب وہ ریٹائر ہو جاتا ہے[1]۔ اس لئے میرے خیال میں ملازمت کے دوران میں اس پر زکوٰۃ لازم نہیں آتی۔ چنانچہ راقم الحروف نے کئی سال ہوئے مولانا مودودی سے بھی اس بارے میں استفسار کیا تھا۔ وہ خط اس وقت میرے پاس نہیں۔ البتہ میرا خیال ہے کہ انھوں نے بھی یہی رائے دی تھی کہ جو رقم مجبوراً دینا پڑے اُس پر زکوٰۃ لازم نہیں آتی، لیکن جو رقم اپنی مرضی سے دی جائے اُس پر زکوٰۃ لازم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یا دورِ خلافت میں

---

[1] ہم یہاں تک کہیں گے کہ ریٹائر ہونے اور فنڈ کی رقم ہاتھ میں آنے کے دوران جو مدت دفتری قواعد کی خانہ پُری میں صرف ہوتی ہے وہ بھی خارج از حساب ہی ہوگی۔ سالِ زکوٰۃ کا آغاز ٹھیک اُس منٹ سے ہوگا جب یہ رقم کامل طور پر ہاتھ میں آ جائے۔ عامر عثمانی

مسلمانوں کے ایسے سرکاری یا غیر سرکاری ادارے نہیں تھے جو اپنے ملازموں سے بہ جبر فنڈ یا ایسی رقمیں اُن کی تنخواہوں سے کاٹتے ہوں اور پھر ملازمت کے اختتام پر انھیں واپس کر دیتے ہوں اس لئے ہمیں مروّجہ فنڈ کے معاملہ میں اُس دور سے بلاواسطہ direct ہدایات نہیں ملتی ہیں۔

وہ جائداد ہی کیا ہے جو کسی سے بہ جبر وصول کی جائے اور اُس پر اُس کا تصرف نہ ہو۔ یہاں پوزیشن کچھ ایسی ہے کہ مدیون یعنی وہ ادارہ جس میں ملازمت کی جارہی ہے جابر ہے اور داتن کی مرضی کے خلاف اُس کی خون پسینہ سے حاصل کی ہوئی کمائی کو بہ جبر وصول کرتا ہے اُس پر سود کھاتا ہے اور غیر اسلامی کاموں میں خرچ کرتا ہے جو بات داتن کو پسند نہیں۔

جولائی ۱۹۶۳ء سے ملازموں سے (Compulsory Deposit Scheme) کے تحت ۳% کے حساب سے بہ جبر فنڈ حاصل کیا جائے گا۔ یہ جی پی فنڈ کے علاوہ ہوگا اور یہ رقم کسی خاص مدت کے بعد ادا کی جائے گی۔ اگر مولانا سید احمد صاحب قادری کی بات کو تسلیم کیا جائے تو اس پر بھی زکوٰۃ لازم آئے گی کیونکہ یہاں بھی مدیون دَین کا معترف و مُقر ہوگا۔ ایسے حالات میں اسلام کے احکام ایک مسلمان ملازم کے لئے وبالِ جان نظر آئیں گے کیونکہ ایک طرف اُسے جی پی فنڈ اور Compulsory Deposit ادا کرنا ہوگا اور دوسری طرف اس پر زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی۔ اس طرح اُس کو ہر طرف سے اقتصادی مار کا سامنا کرنا پڑے گا جو شارع کا مقصد نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ جدید زندگی کی راہِ اسلام کی روح Spirit کے ساتھ تطابق نہیں رکھتی اور ہمیں صرف اُن رقوم پر زکوٰۃ دینی ہے جو ہم اپنی خوشی سے جمع کرلیتے ہیں۔ اُن رقوم پر زکوٰۃ لازم نہیں آتی جو بہ جبر کاٹی جاتی ہیں۔

فتاوی دار العلوم دیوبند

مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع کے فتاوی کا مجموعہ "فتاوی دار العلوم دیوبند" کے نام سے بارہا چھپا ہے لیکن اس کی ترتیب و تبویب اور کتابت و طباعت ناقص ہی رہی اب ایک نیا ایڈیشن عمدہ ترتیب و تبویب اور کتابت و طباعت کے معیاری انتظام کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ یہ عوام و خواص سب کے لئے خاصے کی چیز ہے آٹھ حصوں کا یہ ضخیم مجموعہ ہزاروں فتاوی پر مشتمل ہے جو ہماری روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر کام آنے والے ہیں قیمت ۲۱ روپے اگر مجلد چاہیں گے تو ہر دو حصہ کی ایک جلد یعنی آٹھ حصوں کی چار جلدیں پانچ روپے میں تیار ہوں گی۔ گویا مجلد کی قیمت ۲۶ روپے ہو جائے گی۔ مجلد بذریعہ ریل طلب کیا جائے تو اخراجات میں کفایت رہے گی۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

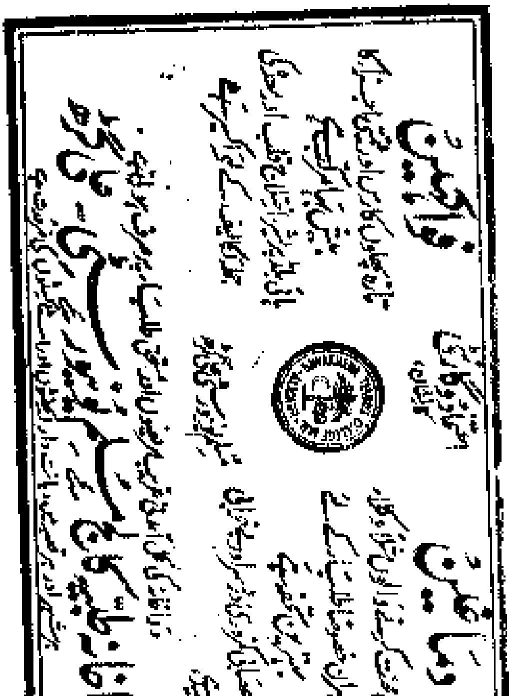

نقد و تبصرہ

مستقل عنوان

کھرے کھوٹے

چند اہم کتابوں کی رسید جو موصول ہوچکی ہیں

روح القرآن (آچاریہ ونوبا بھاوے) تاریخ دعوت وعزیمت (مولانا ابوالحسن علی) رکعات تراویح (مولانا حبیب الرحمان الاعظمی) انوار الباری جلد اول (مولانا سید احمد رضا) قاموس القرآن (مولانا قاضی زین العابدین) خاتون پاکستان کا رسول نمبر (کراچی)

ان پر ان شاء اللہ جلد تبصرہ ہوگا

مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر

● مؤلف:- مولانا محمد تقی امینی ● شائع کردہ:- ادارہ علم و عرفان- اجمیر ● صفحات ۱۶۰ سائز خورد- لکھائی چھپائی غیر معیاری- قیمت مجلد تین روپے۔

مولانا امینی ان جانے پہچانے لوگوں میں ہیں جن کے قلم کی قدر و قیمت کا اعتراف بعض اساتذہ نے بھی کیا ہے۔ وہ رواں لکھتے ہیں اور اس روانی میں علم و فہم کے لمعات کا عکس جمیل برابر بنتا ابھرتا رہتا ہے- ان کی تحریر کا مزاج ان کی عمر سے زیادہ متین اور سنجیدہ ہے۔ وہ کمال تحمل سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں-

یہ کتاب ان کے فکر سنجیدہ کا ایک مفید اور وقیع مظہر ہے اس میں انھوں نے خاصی کاوش اور تفحص کے ساتھ مسئلہ اجتہاد کے ہر گوشے پر روشنی ڈالی ہے- اجتہاد کیا ہے اس کا دائرہ کہاں تک پھیلتا اور سکڑتا ہے- اس کی ضرورت کب اور کیوں ہوتی ہے- اس کے لئے کن صلاحیتوں کا پایا جانا لازمی ہے- اس کے مصادر و مبانی کیا ہیں وغیر ذلک یہ ساری وضاحتیں اس کتاب میں موجود ہیں- اس طرح کے موضوعات پر کام کرنے والوں کو اس کتاب سے خاصا خام مواد فراہم ہو سکے گا-

رنج یہ ہے کہ طباعت و کتابت ڈھنگ کی نہیں ہوئی قیمت بھی زیادہ رکھی گئی ہے- زیادہ سے زیادہ دو روپے مناسب تھے- دینی و علمی کتابوں کی اشاعت میں اگر کاروباری انتفاع کا جذبہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو خیر و برکت اٹھ جاتی ہے-

وحدۃ الوجود والشہود

● مرتبہ:- ثناء الحق ایم- اے ● ناشر:- پاک اکیڈمی (۱۴۱ وحید آباد) گولیمار- کراچی ۱۸ صفحات ۱۶۰ لکھائی چھپائی کام چلاؤ- کاغذ سفید- قیمت ڈھائی روپے-

"ہمہ اوست" کے مفہوم میں وحدۃ الوجود اور "ہمہ از اوست" کے مفہوم میں وحدۃ الشہود تصوف کی دو مشہور اصطلاحیں ہیں جن پر شیوخ و افاضل کے مابین ماضی میں بڑے ہنگامہ خیز مذاکرے ہوتے ہیں- آج کا زمانہ ایسی اصطلاحات پر بحث تو در کنار ان کے تذکرے تک کا نہیں لیکن جس پس منظر میں پیش نظر کتاب منصۂ اشاعت پر آئی ہے وہ اس کے جواز کے لئے کافی ہے- دراصل یہ فارسی رسالہ فاضل مرتب کے نانا مولانا شیخ محمد تھانویؒ کا ہے- جنھوں نے تقریباً سو سال قبل کی ان تاریخی شخصیتوں میں سے

مجھے جنھیں خانوادۂ ولی اللّٰہی سے یک گونہ انتساب رہا ہے اور جن کے علم و تفقہ نے اپنے دائرے میں ممتاز خدمات انجام دی ہیں۔ شاہ عبد العزیزؒ کے عالی قدر نواسے شاہ محمد اسحٰقؒ جیسے عالم کا شاگرد ہونا کوئی معمولی اعزاز نہیں، یہی اعزاز محدث گنگوہیؒ کو ولی اللّٰہی خانوادے سے وابستہ کرتا ہے۔ اولاد ہونے کی حیثیت سے بھی نجم الحق صاحب کے لئے اس محترم ہستی کا ذکر و بیان بالکل بجا تھا۔ اور اس کی ذاتی خصوصیات بھی متقاضی تھیں کہ جو بھی حالات و کوائف میسر آسکیں کتابی شکل میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ شاید اسی لئے کتاب کا بڑا حصہ مولانا مرحوم کے سوانح پر صرف کیا گیا ہے اور اصل رسالہ صرف ۳۵ صفحات کا ہے اس کی زبان فارسی ہے اور فارسی بھی قدرے دقیق۔ دقیق ہونی ہی چاہیئے تھی ایک تو مسئلہ غامض و عمیق دوسرے عربی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال اس میں ناگزیر۔ بڑا اچھا ہوتا اگر اردو ترجمہ بھی اس کا ساتھ ہی کر دیا جاتا۔ ویسے اس کمی کو خود فاضل مرتب نے رسالہ سے قبل ہی ۱۵ صفحات اسی موضوع پر اردو میں لکھ کر پورا کرنا چاہا ہے۔ گو یہ صفحات بڑے بیش قیمت ہیں۔ ان میں مرتب نے لائق تحسین ایجاز کے ساتھ مسئلہ کا تعارف اور بعض چوٹی کی شخصیتوں کے اقوال و آراء کو شامل کیا ہے لیکن با ایں ہمہ خود اصل رسالہ کے ترجمے کا خلا اس سے کما حقہٗ پورا نہیں ہو سکا۔

سوانح کا حصہ کافی دلچسپ اور فکر انگیز ہے اسمیں بعض اُن غلط فہمیوں کا بھی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے جو "تذکرۃ الرشید" اور "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" کے بعض مندرجات سے پیدا ہوتی تھیں۔ مؤلف کے قلم میں شگفتگی اور روانی ہے دروبست (ٹکنک) اتنا کشش آمیز ہے کہ دوران مطالعہ طبیعت نہیں اُکتاتی ورنہ سوانح اور تذکرے عموماً بور ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں اپنے بھی اسلاف کے تذکار سے وقتاً فوقتاً بہ بارت و بصیرت کا رشتہ جوڑتے رہنا کئی لحاظ سے مفید ہے۔

صفحہ ۱۱۲ پر نہ جانے کیسے مرتب کے منجھے ہوئے قلم سے یہ فقرہ نکل گیا:۔

"۔۔۔۔ اُن دلائل کو جو شاہ صاحب نے پیش کی تھیں تقویت پہنچانے کی سعی کی۔"

"دلائل" کا لفظ تو بلا اختلاف مذکر ہے بعض اور جمعیں مثلاً سوانح، مصالح وغیرہ تو مؤنث اور مذکر دونوں طرح استعمال ہوتی ہیں لیکن دلائل اور کوائف وغیرہ کو مؤنث کہیں نہیں دیکھا۔

عام لوگ اصل رسالے سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکیں گے کیونکہ یہ فارسی میں ہے اور فارسی سمجھنے والے روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا ۱۶۰ صفحی میں اس رسالے کا پھیلاؤ فقط ۳۵ صفحات میں ہے۔ ۱۵ صفحات اسی مسئلہ پر فاضل مرتب کے ہیں جو بڑے جاندار اور قیمتی ہیں۔ ان میں انھوں نے دو ساطین، شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کے نقاط نظر کو مختصراً پیش کر کے مسئلے کو قریب الفہم کر دیا ہے باقی سب صفحات سوانح پر مشتمل ہیں جو سب کے لئے دلچسپ ثابت ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ

● از جناب سلام اللہ صدیقی
● ناشر:۔ مکتبہ اسلامی للہ پورہ (ناظمان) بنارس۔ صفحات ۸۲ قیمت ۸۸ پیسے

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حالات و سوانح پیش کئے گئے ہیں۔ ویسے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر زوجہ تمام مسلمانوں کی ماں اور ہر صاحب ایمان کی عقیدت و احترام کا ملجا ہے لیکن حضرت عائشہ اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر ان سب میں ایک امتیازی شان رکھتی ہیں۔ سرکارؐ کو سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے تھی۔ آپ ہی کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم و تفقہ اور فراست و بصیرت کا نور عطا فرمایا تھا جو آپ کی کم عمری اور جنس کے اعتبار

سے اعجازِ قدرت کا امتیازی نمونہ کہا جا سکتا ہے - بلا کی ذہین، بیدار مغز، فقیہہ، صاحب الرائے - سیرت صورت عمل اسوہ ہر شے نورٌ علیٰ نور - کیسے نہ ہوتا دنیا کے سب سے بڑے انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے التفاتِ خاص کا مرکز ہونا ہی محاسن و مناقب کی محکم دلیل ہے - جوہری پتھر کو آنکھوں سے نہیں لگاتا - جتنا قیمتی ہیرا ہوگا اتنا ہی جوہری کی نظر میں محبوب ہوگا -

سلام اللہ صدیقی اپنی بعض تالیفات کے ذریعہ اہلِ علم سے روشناس ہو چکے ہیں - وہ تاریخ و روایت کے فن کا خاص ذوق رکھتے ہیں - قلم بھی ستھرا ہے - عقائد بھی نکھرے ہوئے ہیں - ایسا ہی شخص متناقض و متضارب روایات کے ذخیرے سے ثقہ اور مفید روایات چن کر لا سکتا ہے -

یہ کتاب متوسط پیمانے پر حضرت صدیقہؓ کے حالات سامنے لاتی ہے اور ہر مسلمان کے لئے قابلِ مطالعہ ہے - کاش کتابت کا انتظام کچھ اور بہتر ہوتا - کاغذ اچھا سفید ہے -

اقلیت و اکثریت کے مسائل کتاب و سنت کی روشنی میں

از مولانا عبد الرؤف رحمانی

ملنے کا پتہ :- عبد الرؤف رحمانی معرفت قاضی تبارک اللہ - بڑھنی بازار - والدت گنج - ضلع بستی -

اقلیت و اکثریت کا مسئلہ ہمارے زمانے کی نوبنو اصطلاحات کے چکر میں ایک ایسا سیاسی مسئلہ بن چکا ہے جس پر موٹی سے موٹی کتاب لکھے اور بھاری بھر انداز میں لکھی جا سکتی ہے لیکن مولانا رحمانی نے اس مسئلہ کو اصطلاحات کے چکر میں اُلجھایا نہیں بلکہ ایک سادہ مزاج اور دردمند مسلمان کی طرح سیدھے سادے اسلامی انداز میں پیش فرمایا ہے - یہ انداز سیاسی مزاج رکھنے والوں کو تو نہیں جچے گا لیکن عام لوگوں کے لئے دلچسپی اور افادیت سے لبریز ہے - موصوف نے اپنی عادت کے مطابق جگہ جگہ شعر بھی استعمال کئے ہیں جن سے انشاء کا رنگ نکھر آیا ہے - تاریخی مواد تو آپ کا خاص میدان ہے - روایات کے التزام سے آپ اپنی تحریروں کو لٹریری بنا لیتے ہیں - یہ کتاب بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں - پڑھنے والوں کو اس کتاب میں بھی بہت کچھ ملے گا -

صفحات ۹۶ لکھائی چھپائی کاغذ سب غنیمت قیمت صرف ایک روپیہ - (عامر عثمانی)

SPIRIT AND MATTER RECONCILED

روح اور مادّے میں نئے سرے سے مصالحت

از :- سید امین احمد مرحوم — بی - اے، بی - ایل، آئی - سی - ایس، ایڈوکیٹ پٹنہ ہائی کورٹ — سابق ممبر بہار لیجسلیٹو اسمبلی و کاؤنسل -

صفحات ۱۲۰ مجلد - قیمت ڈیڑھ روپیہ -

ملنے کا پتہ :- مسز فاطمہ امین احمد مرحوم - نمائش روڈ - پٹنہ ۱ بہار - انڈیا -

---

یہ کتاب انگریزی میں اس موضوع پر لکھی گئی ہے کہ زندگی نہ صرف روح ہے اور نہ صرف مادّہ بلکہ روح اور مادہ کا ایک امتزاج ہے اور یہ کہ اس "امتزاج" کو حاصل کرنے کا واحد راستہ خدا کا نازل کردہ آخری دین "اسلام" ہے - کتاب کا لکھنے والا یہ کتاب لکھ کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا، لیکن اس کی یہ قابلِ رشک مذہبی کاوش نہ جانے کتنے مردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کے لئے اس کے پیچھے زندہ رہے گی مصنف مرحوم کے قلم سے جو "سوزِ دروں" ٹپک رہا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب بہت دنوں تک زندہ رہیگی کتاب و سنت کا مسلسل مطالعہ اس کتاب کے صفحات میں نچوڑ دیا گیا ہے - ترتیب و تشکیل بھی فکر انگیز ہے اور اندازِ تحریر بھی دلنشیں - مصنف نے اپنی طرف سے آخری ابواب

میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن باقی کتاب میں وہ صرف کتاب و سنت کی ترجمانی میں محو ہیں۔ کہیں کہیں ترجمہ میں "آزادی" کی جھلک ملتی ہے مثلاً:۔

"اور مضبوطی سے تھام لو سب کے سب مل کر اس رسّی کو جو خدا تمہارے لئے بڑھاتا ہے۔" (صفحہ ۱۳)

"جو خدا تمہارے لئے بڑھاتا ہے" بریکٹ میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ کی تشریح میں یہ بات کہی گئی ہے۔ یا "قل ھو اللہ احد" کے ترجمہ میں "صمد" کے معنی "Eternal and Absolute" کئے ہیں حالانکہ اس کے معنی ہیں "بے نیاز۔ غنی" اور انگریزی میں اس کے لئے Self - Sufficient - ہونا چاہئے۔

دوسری بات محل نظر یہ ہے کہ جہاں آیاتِ قرآنی کے حوالوں کا قابلِ قدر اہتمام کیا ہے وہاں احادیث کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ یہ بڑی کمی رہ گئی۔ ان خامیوں کو چھوڑ کر پوری کتاب قابلِ قدر اور قابلِ استفادہ ہے۔

(شمس نوید)

انجمن ترقی اُردو کا پندرہ روزہ ترجمان

"قومی زبان"

ایک جریدہ ——— ایک تحریک

جس کا ہر شمارہ اُردو زبان و ادب سے متعلق مسائل اور رفتارِ ترقی کا آئینہ ہوتا ہے

چند مستقل عنوانات

- نئے خزانے ——— ہر ماہ کے اُردو اخبارات ورسائل کے علمی و ادبی مضامین کی فہرست۔
- اُردو کے سپاہی ——— ایسی ہم عصر شخصیتوں کے بارے میں مضامین، جنھوں نے عملی اور علمی دونوں محاذوں پر اُردو زبان کی خدمت کی ہے۔
- علمی مسائل ——— دفتر انجمن میں موصول ہونے والے علمی و ادبی سوالات کے جواب جو مشہور نقاد اور ماہر لسانیات ڈاکٹر شوکت سبزواری کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔
- گرد و پیش ——— علمی ادبی اور تہذیبی خبریں۔
- گنج ہائے گراں مایہ ——— انجمن ترقی اُردو کے کتب خانے میں تقریباً دو ہزار مخطوطات ہیں، ان کی وضاحتی فہرست جو بالاقساط شائع کی جارہی ہے۔
- علمی اصطلاحات ——— انجمن کے پاس مختلف علوم و فنون کی تقریباً ایک لاکھ اصطلاحات ہیں جنھیں بالاقساط "قومی زبان" میں شائع کیا جارہا ہے۔
- نئی مطبوعات ——— اُردو کی نئی مطبوعات کے بارے میں معلومات۔
- تبصرے ——— تازہ مطبوعات پر تفصیلی تبصرے۔

ہر شمارہ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہوتا ہے

قیمت فی پرچہ پچاس پیسے ——— سالانہ قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ:۔ انجمن ترقی اُردو، اُردو روڈ ——— کراچی ۱